فصل سوم

مغربی تہذیب کی بالادستی کی کوششیں

دور حاضر ایجادات وترقی کا عالمگیر دور ہے۔ سائنسی علوم وفنون کی ترقی نے انسانی زندگی میں گہرا تغیر پیدا کیا ہے۔ عصر حاضر کی ترقی کا تقاضا تو یہ تھا کہ انسان کی زندگی امن وسکون سے بھر جاتی، انسانیت ترقی کے فیض سے اعلیٰ درجوں تک پہنچ جاتی۔ اشرف المخلوقات کا شرف آسمانوں پر قبول کیا جا رہا ہوتا، زمین پر چرچے ہوتے، فضائیں، سمندر اور ان کے درمیان کی مخلوقات انسان کی عظمت پر نازاں ہوتیں۔ اس کے برعکس آج آسمان حیران، زمین مضطرب، فضا اور بحر پریشان ہیں۔ یا اللہ انسانوں کو کیا ہو گیا۔ اخلاقیات، معاشرت، معیشت، قانون اور انتظام ہر طرف تاریکی ہی تاریکی ہے۔ اس منظرنامے کو کس طرح تبدیل کیا جائے؟ یہ وقت کا ایک اہم سوال ہے۔

دنیا کی قیادت، امامت و رہنمائی اس وقت جن قوموں کے ہاتھ میں ہے ان کے نظریات اور کوششوں کا جائزہ لیا جائے تو یوں نقشہ بنتا ہے کہ پوری دنیا ہماری مرضی اور منشاء کے مطابق تبدیل ہو جائے۔ مذہب کی تعریف ہم پیش کریں وہ سب کا مذہب بن جائے۔ معیشت کے تمام ذرائع ہمارے ہاتھوں میں ہوں تا کہ ہم جیسے چاہیں نتائج حاصل کر سکیں۔ سرمائے کے زور پر کوئی ہمارے کاموں میں مداخلت نہ کر سکے۔ قوت کے مضبوط سرچشمے ہمارے ہاتھوں میں رہیں تا کہ عسکریت کے تمام سوراخوں کو بزور بند کر دیا جائے۔ ابلاغ کے تمام ذرائع کی مدد سے ہماری تعلیم، تہذیب وثقافت پوری دنیا میں رائج ہو جائے۔ پوری دنیا ایک قانون، ایک معیشت، ایک عسکری محاذ اور ایک تہذیب میں رنگ جائے۔ اپنی اس دنیا کے تصور کو دنیا کے یہ قائد وامام سیکولر معاشرہ، آزاد روشن خیال معاشرت اور جمہوریت جیسے ناموں سے متعارف کراتے ہیں۔

کسی بھی قوم کے مذہبی عقائد، زبان، رہن سہن، تہوار، خوشی غمی کے رسوم و رواج کسی تہذیب کے عکاس ہوتے ہیں۔ اسی بنیاد پر مختلف تہذیبیں وجود میں آتی ہیں۔ ہر تہذیب کو اپنے فروغ اور دفاع کے لیے مسلسل کام کرنا پڑتا ہے ورنہ اس کا وجود بھی بسا اوقات خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ دور حاضر میں غالب تہذیب نے مسلم تہذیب پر گہرے اثرات ڈالے ہیں۔ اپنے تشخص کو برقرار رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ اپنی نسلوں کو واضح انداز میں بتایا جائے کہ آپ کیا ہیں؟ آپ کی تہذیبی شناخت کیا ہے؟ اپنی تہذیب کی عظمت و برتری نوجوان نسل پر واضح کر دینا بزرگوں پر ایسا قرض ہے جس کی ادائیگی فرض ہے۔ پاکستان کا قیام دوقومی نظریے کی بنیاد پر وجود میں آیا تھا۔ جس کے اعتبار سے مسلمان مذہبی اور تہذیبی طور پر ہندوؤں سے جدا قوم ہیں۔

مغربی تہذیب کی فکری بنیادوں پر عمل درآمد کرنے سے ہی بگاڑ پیدا ہوا ہے۔ آج کا معاشرتی بگاڑ ہر فرد کی ہر خواہش کی تکمیل ہو کوئی قانونی اخلاقی و مذہبی بندش نہ ہو تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ معاشرہ بہیمیت پر نہ اترے۔ مغربی تہذیب کے فروغ نے سیاسی و معاشری اور اخلاقی طور پر پوری دنیا پر بہیمت پھیلا رکھی ہے اور اب تو مغرب سماجی طور پر خود بھی محفوظ نہیں رہا۔ اس بہیمیت کی وجہ سے مغرب میں خاندان کا ادارہ تباہ ہو چکا ہے۔ خاندانی نظام کی تباہی کی وجہ سے عورت پر

معاش کا بوجھ بھی ڈال دیا گیا ہے جوانی میں تو عیش پرست زندگی گزاری جاتی ہے لیکن بڑھاپے میں اولاد بھی اٹھا کر اولڈ ہاؤس میں پھینک آتی ہے، اس قسم کی تہذیب کا اسلامی تہذیب کے ساتھ انھیں قیاس کرنا ہمارے ''روشن خیالوں'' کی جہالت کا نتیجہ ہے۔

نظام تعلیم کو سیکولر بنانے کی جدوجہد

ستمبر 2005ء میں ایک دورکنی ریویوٹیم کنٹریکٹ پر بٹھائی جو بنیادی طور پر سول سروس کے افراد تھے۔ اس کے لیے قومی تعلیمی کانفرنس منعقد کی گئی۔ کانفرنس کے اختتام پر جو سفارشات تیار کی گئیں ان سے لادینیت اور نام نہاد روشن خیال اعتدال پسندی کی سوچ کھل کر سامنے آ گئی۔ کانفرنس کے ورکنگ پیپرز (Working Papers) پڑھنے کے بعد جو باتیں واضح طور پر سامنے آئی ہیں۔ وہ نمونے کے طور پر ایک ہی پیراگراف میں دیکھی جاسکتی ہیں:

"The future with great imagination and Intelligence, demands a careful articulation which must associated realities and understanding of the global dynamics. It must be relevant to the learning traditions dynamics. It must be relevant to learning traditions in the soil and owned by the leadership of the Country to ensure these, Vision must envolve through inclusive and interactive dialogue among plural political and other intersts so that it could truely reflect the colletive aspirations of the people of Pakistan"[1]

''اگر ہماری کی گئی منصوبہ بندی کے بارے میں غور وفکر کیا جائے جو کہ ایک ایسے مستقبل کے بارے میں ہے جو ایک عظیم تخیلات اور دیانت کو (فروغ دینا) چاہتی ہے اور جو غور طلب مفاہمت کی متقاضی ہے۔ جس پر بین الاقوامی افق اور حقائق ایک دوسرے سے ملتے ہوتے ہیں۔ یہ (سوچنے کی صلاحیت) لازمی طور پر سیکھنے سکھانے کی روایات کی وسعتوں سے متعلقہ ہونی چاہیے۔ یہ گہرائی کے ساتھ ان روایات (سیکھنے سکھانے کے اصول) سے اپنی مطابقت قائم کرنے کے لیے (دعوت دیتی ہے) اور جس میں ایک وژن کے پائے جانے کی ضرورت ہے اور یہ وژن اس ملک کی (موجودہ) لیڈرشپ کے پاس موجود ہے۔ اسی وژن کو یقینی بنانے کے لیے ایک ساز گار، متعلقہ اور باہمی تعاون پر مبنی ڈائیلاگ کی ضرورت ہے۔ یہ ڈائیلاگ تمام سیاسی جہتوں میں مزید وسعتوں کو یقینی بنائے گا اور اس کے ساتھ ساتھ دیگر تمام مفادات میں بھی (راہنمائی) ہوگی تاکہ پاکستان کے عوام کی مشترکہ آرزوؤں کی عکاسی کی جاسکے۔''

۱۔ اسلام آباد میں منعقدہ قومی تعلیمی کانفرنس کی سفارشات کا خلاصہ ''منعقدہ ۳۰، ۳۱ مئی ۲۰۰۶ء

انگریزی کی تدریس پہلی جماعت سے لازمی قرار دی گئی ہے۔ جونفسیاتی طور پر ناپسندیدگی اور عملی طور پر نا قابل عمل ہے۔سب سے پہلے پاکستان کا نعرہ لگانے والے حکمرانوں نے مطالعہ پاکستان کا لازمی مضمون انٹرمیڈیٹ سے نکال دیا ہے۔

اب اس پورے بیان کو بار بار پڑھیں کیا اس میں کوئی وژن (Vision) برآمد ہوتا ہے۔سوائے اس کے کہ ملک کی لیڈرشپ اس کو Own کرے۔ملکی لیڈرشپ کی بنیاد تو روشن خیالی، اعتدال پسندی پر مبنی ہے۔اس طرح نویں تعلیمی پالیسی کی نظریاتی بنیادیں اپنے مخصوص ایجنڈے کی عکاسی کرتی ہیں۔ابھی تعلیمی تشکیل کے مراحل میں ہے اور تعلیمی وژن، مشن اور قومی مقاصد تعلیم ابھی تک مکمل طور پر سامنے نہیں آئے لیکن اسکیم آف اسٹڈیز کو جاری کر دیا گیا۔

> ''SDPI نے ایک رپورٹ 2004ء میں جاری کی جس کے مطابق ایک طرف انگریزی کو پہلی جماعت سے لازمی قرار دیا گیا ہے جبکہ دوسری طرف عربی تدریس جو پہلے چھٹی جماعت سے لازمی تھی کو اختیاری مضمون کی حیثیت دے دی گئی کہ قوم کے نونہال اسلام بنیادی ماخذ قرآن وحدیث کو بھی سمجھنے کے قابل نہ ہوسکیں''۔[۲]

مارچ 2004ء میں ایس ڈی پی آئی (Sustainable DevelopmentPolicy Institute) کی رپورٹ کو بنیاد بنا کر 6 کروڑ ڈالر کی امریکی امداد سے دوسری جماعت سے بارھویں جماعت کے نصاب سے اسلامی تعلیمات، دوقومی نظریہ، قومی ہیروز اور علامہ اقبال کی شاعری کے اسباق نکال دیے گئے۔ناقابل فہم انداز میں پیش کر کے نسل نو کو گمراہ کرنے کی کوشش کی گئی۔جس پر پوری قوم نے صدائے احتجاج بلند کیا۔یقیناً تعلیم ہی حیات انسانی کی بنیاد ہے اس لیے حکمران ان مغرب زدہ نسل اپنے مستقل مقاصد کے لیے تیار کرنا چاہتے ہیں، اس لیے ارباب اقتدار سائنسی نصاب میں تبدیلی کی بجائے پورا زور سماجی ومعاشرتی علوم کے نصاب کو تبدیل کرنے پر لگا رہے ہیں۔2004ء میں جن اسباق کو نکالا اور ان کی جگہ شامل کیا گیا وہ درج ذیل ہیں۔

ساتویں کلاس میں کئی گئی تبدیلیاں **چھٹی کلاس کی اردو میں کی گئی تبدیلیاں**

نکالے گئے اسباق	شامل کیے گئے اسباق	نکالے گئے اسباق	شامل کیے گئے اسباق
حضرت عائشہؓ	اردو زبان کی کہانی	اسلام کا پہلا تیرانداز	صبح سویرے
ملی ترانہ	جادو کی مشغل	حضرت خدیجہؓ	کسٹم آفیسر
فتح مکہ	زیارت کی سیر	رحم دلی کا صلہ	گوادر ایک اہم تجارتی بندرگاہ
علامہ اقبالؒ	دیہاتی عورت	انوکھی جنگ	لندن سے ایک خط
اکبرالہ آبادی	ابتدائی طبی امداد	شمس العلماء مولوی نذیر احمد	میری ڈائری
ہمارے اسلاف	آؤ خط لکھیں	مولانا ظفر علی خان	مفید عمل
قومی پرچم کے آداب	مکڑا اور مکھی	شبیر احمد شہید	مفید عمل
پاکستانی بچے	ہم نے سائیکل خریدی	کوہ صفا پر حضورؐ کا قریش سے خطاب	فٹ بال

۲ Sustainable Development Policy Institute Report March-2004

علم	جب وہ نرس بنی	صلاح الدین ایوبی	

آغا خان یونیورسٹی امتحانی بورڈ (AKUEB)

جنرل پرویز مشرف نے 2002ء کو اپنے غیر معمولی آرڈی ننس (2002ء) کو منظور کیا۔ آرڈی ننس میں کہا گیا کہ:

1۔ اس آرڈی ننس کو آغا خان یونیورسٹی ایگزامینیشن بورڈ (2002ء) کہا جائے گا۔

2۔ یہ پورے پاکستان پر محیط ہوگا۔

3۔ آغا خان یونیورسٹی ایگزامینیشن بورڈ (AKUEB) وقت اور طریق کار کا لحاظ سے اپنی کلی صوابدید پر اور اپنے مقاصد کے حصول کے لیے فوائد وضع کرنے میں بھی کامل طور پر آزاد ہوگا (اور بہت ساری باتوں کے علاوہ تحریر کیا گیا ہے کہ)

5۔ اس آرڈی ننس کے تحت نیک نیتی سے کیے گئے تمام کام کسی قسم کے عدالتی دعوؤں اور قانونی کارروائیوں سے محفوظ ہوں گے۔

اس کے بعد 13 اگست 2003ء کو کراچی میں ایک معاہدہ کیا گیا جس پر امریکی سفیر نینسی پاول اور آغا خان یونیورسٹی کے نمائندے شمس قاسم لاکھانے دستخط کیے اس تقریب میں سابق وفاقی وزیر تعلیم زبیدہ جلال صاحبہ اور سندھ کے سابق وزیر تعلیم عرفان اللہ مروت بھی موجود تھے۔ امریکی حکومت نے 450 لاکھ ڈالر عطا کیے۔ انہی حقائق کے نتیجے میں ہم سوال کرتے ہیں۔

☆ آخر بورڈ کے قیام میں سیاستدانوں، تعلیمی ماہرین اور قوم کے طبقات سے مشاورت کی بجائے رات کی تاریکی میں صرف جنرل پرویز مشرف نے دستخط کیوں کیے؟

☆ آخر آغا خانیوں (جو تمام مسلم مکاتب فکر میں انتہائی متنازعہ ہیں) کو بورڈ بنانے کی اجازت کیوں دی گئی؟

☆ آخر 24 قومی تعلیمی بورڈوں کو کیوں ناکارہ کیا جا رہا ہے؟

☆ آخر غریب طلبہ پر اضافی معاشی بوجھ کیوں ڈالا جا رہا ہے (آغا خان بورڈ کی صرف رجسٹریشن فیس 4000 روپے ہوگی)۔

اساتذہ وطلباء وطالبات کے امریکی دورے

ہماری اسلامی نظریاتی مملکت پاکستان کے حکمرانوں کا امریکہ کے ساتھ ایک معاہدہ ہوا تھا جسے (YES) یوتھ ایکسچینج اینڈ سٹڈی پروگرام کہتے ہیں۔

اس معاہدے کے تحت ہماری نوجوان نسل میں بہترین طالب علم اور بہترین اساتذہ کو منتخب کرکے امریکہ بھجوانا تھا اور امریکی طلباء واساتذہ کو پاکستان بھجوانا تھا تاکہ ایک دوسرے کی معاشرت کو سمجھ سکیں۔ انہوں نے پاکستانی اساتذہ کو امریکہ بھجوایا تاکہ ان کو مغربی تہذیب میں رنگ دیا جائے لیکن امریکہ سے کسی استاد یا طالب علم کو پاکستان نہ بھیجا گیا اور بہانہ بنایا کہ یہاں ان کے لیے سیکورٹی نہیں ہے اس طرح امریکہ اپنے اس معاہدے سے پھر گیا۔

''اسمبلی میں اس ایشو کو بہت Discuss کیا اور اس بات پر زور دیا گیا کہ اس طرح کا معاہدہ نہ کیا جائے لیکن اس کے باوجود بھی اس معاہدے کو ہونے سے روکا نہ جاسکا۔ امریکہ میں نوجوانوں کے تبادلہ اور تعلیمی پروگرام (YES) کے تحت ایک طالب علم کا حال پڑھتے ہیں۔ جوکہ نہ صرف تعلیم کے حصول کی خاطر امریکہ بھیجا گیا بلکہ پس پردہ اصل مقصد وہاں کی تہذیب کو مسلمانوں پر حاوی کرنا ہے۔ خبر ونظر کے شمارے میں محمد طلحہ قریشی ایک تحریر میں اپنے امریکہ کے تعلیمی سفر کے بارے میں جو کچھ لکھتا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایک ایسا کلچر، اور ایک ایسی تہذیب کو مسلم نوجوانوں میں راسخ کیا جا رہا ہے جوکہ دین اسلام اور اس کی اقدار سے بہت مختلف ہے۔[۳]

''امریکہ میں قیام اور تعلیم حاصل کرنے کا میرا تجربہ اس وقت شروع ہوا جب میں 8 جون 2006ء کو واشنگٹن ڈی سی پہنچا۔ میرے ساتھ یوتھ ایکسچینج اینڈ اسٹڈی پروگرام YES کے دوسرے پاکستانی طلبا بھی تھے۔''

''شروع شروع میں مجھے نئی ثقافت سے ہم آہنگ ہونے میں کچھ مشکل پیش آئی لیکن دو ہفتے کے اندر یہ مشکل دور ہوچکی تھی۔ ستمبر میں میں نے ڈرامے میں شرکت کی جس میں ایک کورین فوجی ''ہوجون کا کردار ادا کیا''۔ میری میزبان فیملی بھی یہ کھیل دیکھنے آئی او ر میری اداکاری پسند کی۔ نومبر کے اواخر میں میں نے ڈرامہ کلب کے ساتھ تین روز ہ Thespianr کانفرنس میں شرکت کی جہاں میں نے اسٹیج پر اداکاری اور تاثرات کے اظہار اور مکالموں کے بارے میں تربیت حاصل کی ..... دسمبر میں مجھے کرسمس کا بڑا انتظار تھا۔ کیونکہ میں پہلی بار کرسمس منا رہا تھا۔ 29 مئی 2007ء کو اپنی سولہویں سالگرہ منائی جب میں سرٹیفکیٹ لیے سٹیج پر گیا تو سب دوستوں نے تالیاں بجا کر داد دی۔ میں نے محسوس کیا کہ میں پاکستان کا ایک کامیاب سفیر ثابت ہوا ہوں''۔[۴]

سیکولرازم کی ترویج

سیکولر رویے کے پیچھے اگر چہ ریاست اور مذہب کی علیحدگی اور ان کی آپس کی کش مکش اور مخالفانہ طرز عمل کی تاریخ ہے۔ مگر سیکولرازم لفظ اور اصطلاح کی اُس سیاسی رویے اور تہذیبی نظریے کے لیے استعمال کیا گیا جو یورپ نے عیسائیت سے خلاصی حاصل کرنے کے لیے اختیار کیا۔

سیکولرازم کی تعریف

انسائیکلوپیڈیا برٹا ینکا میں سیکولرازم کی تعریف بیان کرتے ہوئے کہا گیا ہے:

''سیکولر ازم کی اصطلاح عام طور پر ریاست وانتظام کو مذہبی یا کلیسائی معاملات سے علیحدہ منظّم کرنے کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ سیکولر تعلیم سے مراد وہ انتظام ہے جس میں مذہب کی معین ہدایت کو شامل نہیں کیا جاتا۔''

۳۔ محمد طلحہ قریشی ''نوجوانوں کے تبادلہ اور تعلیم کا پروگرام'' (YES) خبر ونظر ص ۸، مئی ۲۰۰۸ء شائع کردہ سفارتخانہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ پاکستان

۴۔ ایضاً

انسائیکلوپیڈیا امریکانا میں اس کی تعریف یوں بیان کی گئی ہے:

''یہ ایک ایسا نظام ہے جس کی بنیاد فطری اخلاق اور الہامی مذہب یا ماورائے فطرت (Supernatural) آزادی کے اصولوں پر رکھی گئی ہے۔ یعنی ہر انسان کا حق ہے کہ وہ اپنے متعلق سوچ سکے، ہر طرح کے موضوعات پر اختلاف رائے کا اظہار کر سکے اور ہر طرح کے موضوعات جیسے خدا، روح کا غیر فانی ہونا وغیرہ پر بحث تمحیص کر سکے۔''۵

''سیکولرازم یا سکولرائزیشن'' سے مراد ہے انسان کے فکر ونظر، تہذیب وتمدن اور ثقافت ومعاملات ہر عقیدے اور دین سے منقطع کرنا۔ ان معنوں میں ان مقاصد کے ساتھ اس وقت دنیا میں ہزاروں طریقے مختلف ناموں اور تھوڑے سے لائحہ عمل کے فرق کے ساتھ روبہ عمل لائے جا رہے ہیں۔ جن میں سے دو کمرشلائزیشن اور ڈیموکریٹائزیشن بھی ہیں۔ مگر ان سب کا اول وآخر مقصد یہ ہے کہ انسانوں کو خدائی ہدایت سے بے بہرہ کر کے آزاد وخود مختار چھوڑ دیا جائے کہ وہ جو چاہے کرے جو چاہے نہ کرے۔.....سیکولرازم کا طوفان، ہمارے اسلامی معاشرے کو بھی تیزی سے اپنی لپیٹ میں لے رہا ہے جس کے نتیجے میں ہماری فکر ونظر، تہذیب وتمدن بھی تباہی و بربادی کے دہانے پر کھڑی ہے۔۶

سیکولرازم کا ارتقاء

سیکولرازم کا جب آغاز ہوا تو اس وقت دنیا اور انسان کی تعبیر وتشریح جامد قسم کی دیومالائی انداز میں کی جاتی تھی۔ تمام سماجی زندگی خود ساختہ مذہب کے بندھنوں میں جکڑی ہوئی تھی۔ حتیٰ کہ فطرت کو استعمال کرنے کے لیے بھی جادوگری اور ساحری کی طرف رجوع کیا جاتا تھا، قرون وسطیٰ کی مسیحی تاریخ میں کئی سو سال تک مذہب کے نام پر نسل انسانی کو تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ ہزاروں افراد کو زندہ جلا دیا گیا، لاکھوں انسانوں کو بے گھر کر دیا گیا، قوموں کو جبراً ان کے مذہب، ثقافت اور شناخت سے محروم کیا گیا۔ اس سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ سیکولرازم کو کس طرح سے فروغ حاصل ہوا۔ آج کا یورپ سیکولرازم کو ایک بڑی نعمت اور ایک قیمتی دریافت بلکہ نسل انسانی کی ایک مشترک میراث سمجھتا ہے۔ سیکولرازم نے یورپ کو پادریوں کے جبر سے نجات دلائی اور مذہب کے نام پر مفاد پرست طبقے کی اجارہ داری ختم کی۔۷

یورپ کا سیکولرازم دراصل انویزیشن مذہبی باز پرس کی تحریک کا ردعمل تھا اور مذہب سے دوری کا سبب یہی تھا۔ اس موقع سے بے مذہب لوگوں نے فائدہ اٹھایا اور اس جذبے کو ہوا دی اور ایک فرقے کے لیے ناراضی اور نفرت کو بڑی چالاکی سے مذہب کی طرف موڑ دیا۔ یوں انیسویں صدی کے شروع ہوتے ہی پوری دنیا سیکولرازم کی لپیٹ میں آ گئی۔ الحاد پرستوں کی ایک جماعت سائنسدانوں، تاریخ دانوں اور فلاسفرز میں سے نکلی اور اس کے ساتھ ہی مذہب کو کاروبار دنیا سے نکال دیا گیا۔۸

۵۔ خالد علوی، سیکولرازم اور اسلام ص ۱۶

۶۔ تنویر ندیم، (سیکولر عناصر، ہماری عورت کو کہاں لے جانا چاہتے ہیں) ماہنامہ بتول، اگست ۲۰۰۵ء ص ۱۳

۷۔ ڈاکٹر گجر کاشمیری، (تاریخ وتنقید) سیکولرازم اصول ومبادی، ص ۳۶-۳۹، ترجمان القرآن جنوری ۱۹۸۶ء

۸۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی، خطبات بہاولپور، ص ۳۲، ۳۳، اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور، ۱۹۹۷ء

انیسویں صدی کے وسط میں سیکولرازم کے اثرات زیادہ واضح طور پر نظر آئے ہیں۔ یہ وہ دور تھا جب عیسائیت دشمن ردعمل میں سیکولرازم اس وقت بہت جاندار نظر آتا ہے جب اسے مذہب دشمن نظریات کے ساتھ منسلک کیا جاتا ہے۔ مذہب سے انکار کی بجائے اس سے چشم پوشی کرنا ناقابل عمل ہے کیونکہ مذہب دنیاوی وروحانی دونوں تعلقات کو باہم دیگر ملا کر پیش کرتا ہے۔ مذہب زندگی کے سیکولر نظریے کا انکار کرتا ہے۔ سیکولر نظریہ اس وقت تک قائم نہیں ہوسکتا جب تک مذہب کے اس دعوے کا توڑ پیش نہ کرے کہ وہ زندگی کو کنٹرول کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سیکولرازم اگر مکمل طور پر مذہب دشمن نظریہ نہیں اپناتا تو ناکامی اس کا مقدر رہے گی۔[۹]

سیکولرازم کا بنیادی نظریہ

1۔ ایک تشریح کے مطابق 'اس دنیا' اور 'خدا' اور 'مذہب' کے دوسرے تصورات کی کوئی حیثیت نہیں۔ صرف یہی دنیا ہے۔ چنانچہ اس Interpretation میں ایتھنزم یا الحاد اور سیکولرازم میں کوئی فرق نہیں۔

2۔ دوسری تشریح کے مطابق: دوسری دنیا میں چاہے خدا اور مذہب ہوں لیکن ان کا اس دنیا کے معاملات سے کوئی سروکار نہیں۔ دین اور دنیا کے دائرے جدا جدا ہیں۔ دنیا کم سے کم اتنی ہی اہم ہے جتنا کہ دین۔ یہ لادینیت ہے۔ یہ دونوں صورتیں اسلام سے متصادم ہیں۔ اب دیکھنا ہے کہ سیکولرازم کس صورت میں اسلام سے متصادم ہے اور کس میں نہیں۔

متصادم صورتیں: (1) الحاد، دہریت، (2) لادینی یا غیر مذہبی نظام

انسان کی مذہب بیزاری

ڈاکٹر خالد علوی مرحوم سیکولرازم کے اصل چہرے سے پردہ اٹھاتے ہوئے اور اس کے ارتقائی مراحل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''سیکولرازم مغرب کا تجربہ ہے۔ یہ دین و دنیا کی تفریق کا نظریہ ہے جسے مغربی معاشروں نے صدیوں کی کش مکش کے بعد اختیار کیا ہے۔ ان کے یہاں چرچ اور ریاست میں اختیارات کی کش مکش صدیوں جاری رہی۔ اہل مذہب اور اربابِ حکومت کے درمیان خون ریز جنگ طویل عرصے تک لڑی گئی جس میں بالآخر چرچ کو شکست ہوئی۔''[۱۰]

سیکولرازم اور لبرل ازم دراصل الہامی ہدایت کے تابع ہونے سے انکاری ہیں۔ وہ کسی برتر اور غالب ہستی کے سامنے جھک جانے اور زندگی بعد موت کے لیے بھی تیار نہیں ہیں۔ لیکن کبھی کبھی کھلی سرکشی کے ساتھ ساتھ شرک اور توہمات سے لبریز مذہبیت کا رنگ بھی اختیار کر لیا جاتا ہے اور زندگی کو مختلف دائروں میں اور شخصیت کو مختلف حصوں بخروں میں بانٹ کر ''کچھ قیصر کے لیے اور کچھ کلیسا کے لیے'' والا نظریہ بھی سیکولرازم کے پیروکار اختیار کر لیتے ہیں۔

۹۔ اسلم میر، پاکستانیت اور جمہوریت کے درست زاویے میں، ص ۳۱۱

۱۰۔ خالد علوی، سیکولرازم اور اسلام، ص ۱۳

ہارورڈ یونیورسٹی کے مسیحی متکلم ''ہاروے کوکس'' نے سیکولرازم کے بارے میں لکھا ہے:

'' سیکولرائزیشن کا استعمال ثقافتی سطح پر ایک عمل کو بیان کرنے کے لیے ہوتا رہا ہے جو کہ سیاسی سطح کے متوازی ہے۔ یہ ثقافتی اتحاد کے مذہبی عزم کے فقدان کی نشاندہی کرتا ہے۔ ثقافتی سیکولرائزیشن کا سیاسی اور سماجی سیکولرائزیشن کے ساتھ ایک ناگزیر ربط ہے۔''[۱۱]

یعنی سیکولرازم ایک نظریہ ہے اس کے اپنے نظام ہیں اور اپنی اقدار ہیں بلکہ یہ اخلاقی اقدار کے خاتمے کا اعلامیہ ہے۔ خاندان کے ادارے کی تباہی کا اعلان ہے اور انفرادیت پسندی جس نے اجتماعیت کا شیرازہ بکھیر دیا ہے کو پروان چڑھاتی ہے۔

روح اور بدن کے امتزاج پر مبنی اسلام کے وحدانی نظریے کے مقابلے میں اہل مغرب بشمول امریکہ جس نظریے کا عہد حاضر میں شد و مد سے پرچار کررہے ہیں، وہ سیکولرازم ہے، یعنی وہ لادینی نظام جو بتدریج ان کے ہاں مذہب کا درجہ اختیار کرتا جارہا ہے۔ دین و دنیا، مذہب اور ریاست کو تقسیم کرنے کی ایک نئی سازش جس کا اصل ہدف اسلام ہے سیکولرازم کی تشریح کے حوالے سے ان کے ہاں مدتوں سے ایک مقولہ رائج العام ہے:

Give unto God what belongs to God and give unto ceaser what belongs to ceaser

''یعنی جوخدا کا ہے وہ خدا کو دواور جو سیزر (بادشاہ) کا ہے سیزر کو دو۔''[۱۲]

یورپ کے اس طرز عمل سے پوری دنیا متاثر ہوئی اور پوری دنیا بے راہ روی کی لپیٹ میں آ گئی۔ سیکولرازم کے فروغ کا اصل مقصد مغرب کو اسلام سے جو خطرہ درپیش ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ ہر دور میں اسلامی تہذیب کو ختم کرنے کے لیے لادین اقوام نے کوششیں کی ہیں۔

لبرل ازم کا عروج

جان لاک کو لبرل ازم کا بانی کہا جاتا ہے جس نے سترھویں صدی میں اس کے بنیادی تصورات پیش کیے اس سے یہ ہرگز مراد نہیں لی جاسکتی کہ یہ مربوط اور مستحکم نظام کے خدوخال کو واضح کرنے والے تصورات تھے۔ لبرل ازم کوئی جدید یا نیا نظام نہیں ہے بلکہ یہ صدیوں پرانا نظام ہے جسے مختلف ادوار میں انسان نے اپنی ضرورت، صلاحیت اور تجربے سے مختلف رخ دیے ہیں۔ یہ مختلف بکھرے حصے ہیں جنہیں مربوط کرنے کے لیے کوشش ہوتی رہی ہے جان لاک نے ان کو سترھویں صدی میں کسی حد تک باہم مربوط کرنے پر کام کیا۔ اس سے قبل انہیں مغرب کے ایک مکالمے کی حیثیت حاصل تھی۔

جان لاک نے کہا کہ فطری اعتبار سے ہر فرد کو ملکیت کا حق حاصل ہے، اس حق کو سلب کرنے، ہتھیار لینے، ختم کرنے کا اختیار کسی کو نہیں ہے۔

۱۱۔ سیکولرازم اور اسلام، ص ۳۱

۱۲۔ ایم اے مالک ''اکیسویں صدی میں کیا ہوگا''، ص ۳۷

لبرل ازم میں اس کی خدمات کا آغاز تب ہوا جب اس نے حقوق کا نظریہ بیان کرنا شروع کیا۔ اس عمل میں اس نے فطری فاقوں کی وضاحت کی اور حقوق کی اہمیت اور بنیاد پر کام کیا۔ فرد کے حقوق پر اس کے کام کو زیادہ پذیرائی ملی۔ ان حقوق کو اس نے الہامی حوالوں سے مربوط کیا۔ مثال کے طور پر اس نے کہا کہ کوئی ایسا ریاستی قانون قابل عمل نہیں ہے جو بنیادی طور پر فطرت کے کسی قانون سے متصادم ہو۔ چونکہ اس کے کام کی بنیاد مسیحیت تھی اس لیے حقوق کی تعبیر میں بھی اس کے اثرات تھے ان اثرات نے ریاست کے حقوق اور کردار کو بہت محدود کر دیا ہے۔

لاک نے The Second Treaties میں لکھا:

''چونکہ یہ آزادی کی ایک کیفیت ہے۔ اسے لائسنس نہیں قرار دیا جاسکتا جو سٹیٹ کو حاصل ہو۔ اگرچہ آدمی کو سٹیٹ میں ایسی آزادی حاصل ہے جس پر کوئی کنٹرول لاگو نہیں کیا جاسکتا تاہم آدمی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ خود کو تباہ کرے یا اسے جو اس کے قبضے میں ہو۔''[۱۳]

جان لاک کا لبرل ازم کے لیے دوسرا بڑا کام انسانیت کا تصور تھا۔ اس نے فطرت کے حوالے سے نظریاتی اور تصوراتی کام کرتے ہوئے اپنے اسی تجزیے کا آغاز کیا اور اس نے کہا کہ سیاسی خود مختاری تب ممکن ہے جب یہ ان سے ملے جن پر حکومت کی جارہی ہے۔ وہ کہتا تھا کہ جب کوئی حکومت اس معاہدے کو توڑتی ہے تو عوام کو ازخود یہ حق مل جاتا ہے کہ وہ انقلاب لے آئیں، بغاوت کر دیں۔

انسان ایک جگہ پر رہتے ہیں اور نسبتاً امن سے رہتے ہیں وہ جائیداد حاصل کرتے ہیں۔ وہ اپنی محنت سے وسائل کو پیدا کرتے ہیں۔ انہیں بعض رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ان کی ضرورت ہوتی ہے کہ ان کے معاملات کا فیصلہ غیر جانبداری سے کیا جائے۔ یہ تھامس ہابس کے تصور کی نفی تھی اور بعد میں پیش کیے جانے والے ان تصورات کے بھی الٹ تھی جن کا کہنا یہ تھا کہ انسان فانی ہے وہ امن اور ہم آہنگی حاصل نہیں کرسکتا۔ وہ زوال سے دوچار ہے۔

جان لاک نے کہا کہ آزادی کی سب سے بڑی ضمانت یہ ہے کہ فرد کو نجی ملکیت کا حق دیا جائے اس نے ان حقوق میں مذہبی اعتقاد اور سیاسی تصورات بھی شامل ہے۔

جان لاک نے ایک سیاسی نظریے کی بنیاد رکھی جو صدیوں سے ارتقاء پذیر ہے اس کے بعد میں آنے والوں نے ان کی تائید اور ان توجیہہ وتشریح کی تاہم یہ سب الہامی قانونی اور فانی انسانی زندگی کے درمیان تناؤ اور کشمکش کی وضاحت نہیں کر سکے۔

اگر ایک فرد چاہتا ہے کہ وہ اپنی قوتوں کو انتہائی متناسب طرز پر حاصل کرے اور ان کو ترقی دے تو اسے آزادی حاصل کرنا ہوگی اور تجربات سے گزرنا ہوگا۔ جب تھامسن جیفرسن امریکہ کا اعلان آزادی لکھ رہا تھا اس نے پین سے رابطہ کیا اس نے ایسی شہریت پر زور دیا جو آزاد ہو جو جمہوری ریاست کو برقرار رکھ سکے۔ اس نے آزادی کو معیار قرار دیا۔

لبرل ازم کے علمبرداروں کا خیال ہے کہ اگر انسان کے پھلنے پھولنے کے وافر مواقع میسر ہیں اور وہ ایک ایسی

۱۳۔ John Lock: The Second Treaties, Two Treaties to Civil Government بحوالہ مرزا الیاس، مغربی تہذیب نمبر، ماہنامہ آئین، اپریل ۲۰۰۵ء

زندگی کے سامنے لاتے ہیں جسے ایک کلاسیکی انتظام میں لایا جاسکتا ہے تو پھر کلاسیکی لبرل نظام کو کوئی برتری حاصل نہیں ہے۔ یہ تجربے کا تنوع تھا جس نے غربت کے درجات اور دیگر مسائل کے باوجود راستے بنائے۔ ٹیکنالوجی کی تیز رفتار ترقی نے یہ مواقع دیے کہ اقوام نئی چیزوں کو تیزی سے اختیار کرتی جائیں۔

خاندان کے ادارے پر ضرب کاری

لبرل معاشروں میں فرد کی ذات کو بے پناہ اہمیت حاصل ہے۔ مذہب، عقیدہ اور اخلاق لبرل ازم میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ سیکولرازم اور لبرل ازم اور سرمایہ دارانہ نظام کی تباہ کاریوں کی وجہ سے دنیا میں خاندان کا ادارہ سب سے زیادہ متاثر ہوا ہے۔ اور جب معاشروں کی بنیادی اکائی کی بنیادیں ہی کمزور ہو کر ٹوٹنے لگیں تو ان کے استحکام اور ترقی کی خواہش تو خواب اور سراب بن جاتی ہے۔

رقص وسرود اور لہولعب کی ترویج

اسلامی شریعت نے رقص وسرود اور حیاسوز موسیقی کی سخت ممانعت کی ہے۔ اس سلسلے میں قرآن کریم وہ آیت ہم پہلے بیان کر چکے ہیں جس میں لہو الحدیث اور اشاعت فاحشہ کو دنیا وآخرت میں دردناک عذاب کا ذریعہ بتایا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ 'لہوالحدیث' کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: 'لہوالحدیث' سے مراد غنا ہے، قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ یہ کلمہ حضرت عبداللہؓ نے تین بار فرمایا۔[۱۴]

حضور نبی کریمؐ نے قرب قیامت کی علامات میں گانے بجانے کے عام ہونے کی خبر دی ہے۔ اسی لہو ولعب سے بھرپور مادہ پرست اور عیش وعشرت میں ڈوبی ہوئی بدنصیب دور میں جی رہے ہیں۔

رینڈ کارپوریشن کی رپورٹ:

2003ء میں امریکہ کے ایک مشہور ''تھنک ٹینک'' رینڈ کارپوریشن نے اپنی تفصیلی رپورٹ میں امت مسلمہ کو چار حصوں میں تقسیم کیا۔

1۔ بنیاد پرست

2۔ روایت پرست

3۔ جدت پسند

4۔ سیکولرسٹ

کارپوریشن نے اپنے لائحہ عمل میں بڑی صراحت کے ساتھ بیان کیا کہ جدت پسند حضرات کو سب سے زیادہ سپورٹ دی جائے۔ ان کا علمی کام ارزاں نرخوں پر تقسیم کیا جائے۔ جدت پسندوں کو نوجوانوں اور عام افراد کے لیے لکھنے پر راغب کیا جائے۔ ان کے نظریات کو نصاب تعلیم میں شامل کیا جائے۔ ان کو اپنے نظریات کے اظہار کے لیے پبلک پلیٹ فارم مہیا کیا جائے۔ ان کے ذریعے اسلام پرستوں اور بنیاد پرستوں کی اسلامی تشریحات کو چیلنج کیا جائے اور ان میں ضروری

۱۴۔ علامہ شوکانی، نیل الاوطار؛ ابو جعفر ابن جریر طبری، جامع البیان فی تأویل القرآن،

ترامیم کروائی جائیں۔نوجوانوں کے سامنے لبرل کلچر کو متبادل کلچر کے طور پر پیش کیا جائے۔[۱۵]

رپورٹ میں ایک لائحہ عمل تحریر ہے وہ یہ کہ بنیاد پرستوں کو ہر طرف سے گھیرا جائے اور معاشرے میں ان کی عزت و مقام کو زک پہنچائی جائے۔ مثلاً ان کی کمزوریوں کو اجاگر کیا جائے۔ دہشت گرد گروہوں سے ان کے تعلقات کو ثابت کیا جائے،انہیں لڑاکا،جنگجو اور ہنگامہ پسند افراد کے طور پر سامنے لایا جائے۔اس بات کو ثابت کیا جائے کہ وہ اچھے منتظم نہیں بن سکتے۔نوجوانوں کو ان سے متنفر کیا جائے۔میڈیا کے ذریعے ان کے کردار کو زیر بحث لایا جائے۔انہیں معاشرتی لحاظ سے کم تر درجے کے طور پر پیش کیا جائے۔ان کی تقسیم در تقسیم کو سپورٹ کیا جائے اور اس بات کو ثابت کیا جائے کہ ان میں (بقول رینڈ رپورٹ)منافقت،کرپشن اور گمراہ کن عناصر بدرجہ اتم موجود ہیں۔

1۔ آزاد خیال (لبرل) سیکولر تعلیمی طبقہ اور دانشور۔

2۔ نسبتاً کم عمر میانہ رو مذہبی رہنما۔

3۔ معاشرتی کارکنان۔

4۔ جنسی مساوات پر یقین رکھنے والی خواتین انجمنیں۔

5۔ ماڈریٹ،صحافی،لکھاری اور کالم نگار۔

اس کام کے لیے 4 سیکٹرز طے کیے گئے۔سب سے پہلے معاشرے میں جمہوری تعلیمات کو اسلامی تعلیمات کی رو سے فروغ دینا۔

ii) دوسرا میڈیا کے ذریعے جمہوریت مخالفت،رجعت پسند مذہبی طبقے سے لڑائی لڑی جائے۔

iii) تیسرا سیکٹر جنسی مساوات۔

iv) چوتھا سیکٹر ان کی پالیسی کے وکیلوں کا ہے جو ماڈریٹ تصورات کا بخوبی دفاع کر سکے۔اس پورے کام کا بنیادی نکتہ یہ ہے کہ آزاد خیال،لبرل مسلمانوں اور ماڈریٹ مسلمانوں کے درمیان خوشگوار،گہرے تعلقات قائم کیے جائیں۔ اس مقصد کے لیے ان کو بین الاقوامی طور پر منظّم کیا جائے اور مسلمانوں کی تاریخی شکست کے علامتی نشان ہسپانیہ میں ان کا اجتماع منعقد کروایا جائے۔

''اسی غرض سے میڈیا پر نئے نئے فتوؤں اور نئے نئے اجتہادات کا ایک طوفان برپا ہے۔ذرائع ابلاغ، رقص وسرود اور طاؤس ورباب کا ہمہ وقت راگ الاپ رہے ہیں۔''[۱۶]

ایک طرف مغربی تہذیب کا یہ طوفانِ بدتمیزی ہے، ایک سیلاب ہے، جو اُمڈا چلا آ رہا ہے اور ہماری نوجوان نسل کو خس وخاشاک کی طرح بہا کر لے جا رہا ہے اور دوسری طرف اسلامی تعلیمات ہیں جو حیا وغیرت کی تاکید کرتی، انسانی اقدار کا پاسداری کرتی اور اپنے اپنے دامن عفت کو پاک رکھنے کی تلقین کرتی ہیں۔قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

۱۵ Cherl- benard.Smith-Civil Democratic Islam. Partners Resources and Strategies:- Rand corporation-2003

۱۶ Building moderate network: Corporation-2006

﴿وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّ يَتَّخِذَهَا هُزُوًا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ﴾ ۱۷

''اور انسانوں ہی میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو کلام دلفریب خرید کر لاتا ہے تا کہ لوگوں کو اللہ کے راستہ سے علم کے بغیر بھٹکا دے اور اس راستے کی دعوت کو مذاق میں اڑا دے۔ ایسے لوگوں کے لیے سخت ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔''

مولانا مودودیؒ اس کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں:

'لہوالحدیث' یعنی ایسی بات جو آدمی کو اپنے اندر مشغول کر کے ہر دوسری چیز سے غافل کر دے۔ لغت کے اعتبار سے تو ان الفاظ میں کوئی ذم کا پہلو نہیں ہے۔ لیکن استعمال میں ان کا اطلاق بری اور فضول اور بیہودہ باتوں پر ہی ہوتا ہے۔ مثلاً گپ، خرافات، ہنسی مذاق، داستانیں، افسانے و ناول، گانا بجانا اور اسی طرح کی دوسری چیزیں۔ ۱۸

بے حجابی کی تہذیب

اسلام میں حجاب کی اہمیت

حجاب کیا ہے؟ حجاب کے متعلق مختلف علماء اور دانشوروں کی مختلف آراء پائی جاتی ہیں مگر اصل میں پردہ یا حجاب کسی چیز کو مستور کرنے کا نام ہے۔

اللہ تعالیٰ نے عورت کو ایک قیمتی چیز کی طرح زمانے کی نظروں سے بچانے کے لیے حجاب کا حکم دیا ہے۔ قرآن کریم میں عورت کے تحفظ اور عزت افزائی کے لیے اخلاقی حدود و قیود کا ایک نظام بنایا۔ سورہ نور میں ارشاد ہے:

﴿وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ ۱۹

''اے نبیؐ، مومن عورتوں سے کہہ دو کہ اپنی نظریں بچا کر رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، اور بناؤ سنگھار نہ دکھائیں ..... اس کے جو خود ظاہر ہو جائے، اپنے سینوں پر اپنی اوڑھنیوں کے آنچل ڈالے رہیں۔ وہ اپنا بناؤ سنگھار نہ ظاہر کریں مگر ان لوگوں کے سامنے شوہر، باپ، شوہروں کے باپ، اپنے بیٹے، شوہروں کے بیٹے، بھائی، بھائیوں کے بیٹے، جو کسی اور قسم کی غرض نہ رکھتے ہوں۔ اور وہ بچے جو

۱۷۔ لقمٰن ۳۱:۶ ۱۸۔ تفہیم القرآن، ۸/٤ ۱۹۔ النور۲٤:۳۱

عورتوں کی پوشیدہ باتوں سے ابھی واقف نہ ہوئے ہوں۔ وہ اپنے پاؤں زمین پر مارتی ہوئی نہ چلا کریں کہ اپنی جو زینت انہوں نے چھپا رکھی ہو۔ اس کا لوگوں کو علم ہوجائے۔ اے مومنو تم سب مل کر اللہ سے توبہ کرو، توقع ہے کہ فلاح پاؤ گے۔''

﴿یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ اَزْوَاجِکَ وَبَنٰتِکَ وَ نِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ ذٰلِکَ اَدْنٰٓی اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَا یُؤْذَیْنَ وَ کَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا﴾ ۲۰

''اے نبیؐ، اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور اہل ایمان کی عورتوں سے کہہ دو کہ اپنے اوپر اپنی چادروں کے پلو لٹکا لیا کریں۔ یہ زیادہ مناسب طریقہ ہے تاکہ وہ پہچان لی جائیں اور نہ ستائی جائیں۔ اللہ تعالیٰ غفور ورحیم ہے۔''

عہد رسالتؐ سے قریب ترین زمانے کے اکابر مفسرین بیان کرتے ہیں۔ ابن جریر اور ابن المنذر کی ہدایت ہے کہ محمد بن سیرین رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت عبیدۃ السلمانی سے اس آیت کا مطلب پوچھا انہوں نے جواب میں کچھ کہنے کے بجائے اپنی چادر اٹھائی اور اسے اس طرح اوڑھا کہ پورا سر اور پیشانی اور پورا منہ ڈھانپ کر صرف ایک آنکھ کھلی رکھی۔

ابن عباس بھی قریب قریب ہی تفسیر کرتے ہیں۔ ان کے جو اقوال ابن جرید، ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے نقل کیے ہیں ان میں وہ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو حکم دیا ہے کہ جب وہ کسی کام کے لیے گھروں سے نکلیں تو اپنی چادروں کے پلو اوپر سے ڈال کر اپنا منہ چھپالیں اور صرف آنکھیں کھلی رکھیں۔

امام ابن جریر طبری کہتے ہیں:

''﴿یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ شریف عورتیں اپنے لباس میں لونڈیوں سے مشابہ بن کر گھروں سے نہ نکلیں کہ ان کے چہرے اور سر کے بال کھلے ہوئے ہوں بلکہ انہیں چاہیے کہ اپنے اوپر اپنی چادروں کا حصہ لٹکا لیا کریں تاکہ کوئی فاسق ان کو چھیڑنے کی جرأت نہ کرے''۔ ۲۱

علامہ ابوبکر جصاص کہتے ہیں:

''یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جوان عورتوں کو اجنبیوں سے اپنا چہرہ چھپانے کا حکم ہے'' اور اسے گھر سے نکلتے وقت سر اور عفت مآبی کا اظہار کرنا چاہیے تاکہ مشتبہ سیرت و کردار کے لوگ اسے دیکھ کر کسی طمع میں مبتلا نہ ہوں'' ۲۲

علامہ زمخشری کہتے ہیں:

''وہ اپنے اوپر اپنی چادروں کا ایک حصہ لٹکا لیا کریں اور اس سے اپنے چہرے اور اپنے اطراف کو اچھی طرح ڈھانک لیں''۔ ۲۳

۲۰۔ الاحزاب ۔۳۳:۵۹ ۲۱۔ جامع البیان ،ابن جریر طبری عن تأویل آی القرآن ،۳۳/۲۲

۲۲۔ امام ابوبکر أحمد بن علی الزاری الجصاص،أحکام القرآن، ۳/ ۴۸۵

۲۳۔ الکشاف من حقائق التنزیل، جارالله ابو القاسم محمود بن عمر الزمخشری،۲۲۱/۲

علامہ نظام الدین نیشا پوری کہتے ہیں:

''اپنے اوپر چادر کا ایک حصہ لٹکا لیا کریں اسی طرح عورتوں کو سر اور چہرہ ڈھانپنے کا حکم دیا گیا ہے''۔[۲۴]

امام رازی کہتے ہیں:

''اس سے مقصود یہ ہے کہ معلوم ہوجائے کہ یہ بدکار عورتیں نہیں ہیں کیونکہ جو عورت اپنا چہرہ چھپائے گی وہ حالانکہ چہرہ ستر میں داخل نہیں ہے، اس سے کوئی شخص یہ توقع نہیں کرسکتا کہ وہ اپنا ستر غیر کے سامنے کھولنے پر راضی ہوگی۔ اس طرح ہر شخص جان لے گا کہ یہ باپردہ عورتیں ہیں، ان سے زنا کی امید نہیں کی جاسکتی۔ ''پہچان لی جائیں'' سے مراد یہ ہے کہ ان کو اس سادہ اور حیا دار لباس میں دیکھ کر ہر دیکھنے والا جان لے کہ وہ شریف اور باعصمت عورتیں ہیں، آوارہ اور کھلاڑی نہیں ہیں کہ کوئی بدکردار انسان ان سے اپنے دل کی تمنا پوری کرنے کی امید کرسکے ''نہ ستائی جائیں'' سے مراد یہ ہے کہ ان کو نہ چھیڑا جائے، ان سے تعرض نہ کیا جائے۔.....اس مقام پر ذرا ٹھہر کر یہ سمجھنے کی کوشش کیجیے کہ قرآن کا یہ حکم اور مقصد حکم جو اللہ تعالیٰ نے خود بیان کردیا ہے، اسلامی قانون معاشرت کی کیا روح ظاہر کررہا ہے اس سے پہلے سورہ نور، آیت نمبر ۳۱ میں یہ ہدایت گزر چکی ہے کہ عورتیں اپنی آرائش و زیبائش کو فلاں فلاں قسم کے مردوں اور عورتوں کے سوا کسی کے سامنے ظاہر نہ کریں۔.....''اور زمین پر پاؤں مارتی ہوئی بھی نہ چلیں کہ لوگوں کو اس کی زینت کا علم ہو جو انہوں نے چھپا رکھی ہے۔'' اس حکم کے ساتھ اگر سورۃ الاحزاب کی اس آیت کو ملا کر پڑھا جائے تو صاف معلوم ہوجاتا ہے کہ یہاں چادر اوڑھنے کا جو حکم ارشاد ہوا ہے اس کی منشاء اجنبیوں سے زینت چھپانا ہی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ منشاء اسی صورت میں پوری ہوسکتی ہے جبکہ چادر بجائے خود سادہ ہو، ورنہ ایک مزین اور جاذب نظر کپڑا لپیٹ لینے سے تو یہ منشاء الٹ اور فوت ہوجائے گی۔.....قرآن عورتوں سے کہتا ہے کہ تم بیک وقت چراغ خانہ اور شمع انجمن نہیں بن سکتی ہو۔ چراغ خانہ بننا ہے تو ان طور طریقوں کو چھوڑ دو جو شمع انجمن بننے کے لیے موزوں ہیں اور وہ طرز زندگی اختیار کرو جو چراغ خانہ بننے میں مددگار ہوسکتا ہے۔.....''کسی شخص کی ذاتی رائے خواہ قرآن کے موافق ہو یا اس کے خلاف، اور وہ قرآن کی ہدایت کو اپنے لیے ضابطہ عمل کی حیثیت سے قبول کرنا چاہے یا نہ چاہے، بہرحال اگر وہ تعبیر کی بددیانتی کا ارتکاب نہ کرنا چاہتا ہو تو وہ قرآن کی منشاء سمجھنے میں غلطی نہیں کرسکتا۔ پہلے جاہلیت کی حالت میں جو غلطیاں کی جاتی رہیں ہیں اللہ اپنی مہربانی سے ان کو معاف کردے گا، بشرطیکہ اب صاف صاف ہدایت مل جانے کے بعد تم اپنے طرز عمل کی اصلاح کرلو اور جان بوجھ کر اس کی خلاف ورزی نہ کرو''۔[۲۵]

۲۴۔ علامہ نظام الدین حسن بن محمد بن حسین خراسانی نیشاپوری، صاحب غرائب القرآن، ۳۲/۲۲

۲۵۔ علامہ فخر الدین محمد بن عمر الرازی وَلَدَ ۵۴۴ھ/۱۱۴۹م، وفات ۶۰۶ھ/۱۲۱۰ (صاحب تفسیر کبیر) ۵۹۱/۶

حجاب:

عورت کے پردے کے سلسلے میں قرآن کریم میں بہت صریح اور واضح ہدایات ہیں:۔

﴿وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ﴾ ۲۶

''اپنے سینوں پر اپنی اوڑھنیوں کا آنچل ڈالے رہیں۔''

﴿يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ﴾ ۲۷

''اپنے اوپر اپنی چادروں کے پلو لٹکا لیا کریں''۔

یہ دانشور ان قرآنی احکام کو واضح الفاظ میں رد کرنے کی ہمت نہیں کر پاتے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ ان احکام کی ''روح'' عورت کی ستر پوشی ہے۔ یہ کسی طریقے سے ہوجائے مقصود حاصل ہوگیا۔ سینوں پر ''دوپٹے جیسی کوئی چیز'' ڈالنا اور ''بڑی چادر جیسا کوئی کپڑا'' اوڑھ لینا محض احتیاطی تدابیر ہیں، جن پر من وعن عمل کرنا ضروری نہیں۔ یہاں انہیں دہرانے کا موقع نہیں ہے۔ مسلم دانشور چہرہ کو پردہ سے خارج کرتے ہیں، اس لیے وہ اصرار کرتے ہیں کہ مسلمان عورت کو چہرہ کھلا رکھنا چاہیے۔ اپنے دلائل میں انہوں نے ایک حدیث کا اضافہ کیا ہے:

''حضرت فضل بن عباسؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ ایک خوبصورت عورت آپؐ کی خدمت میں ایک مسئلہ دریافت کرنے کے لیے حاضر ہوئی۔ وہ آپؐ سے گفتگو کر رہی تھی اور فضلؓ جو ابھی جوان تھے، اس کو بغور دیکھ رہے تھے۔ آپؐ نے ان کا چہرہ دوسری جانب موڑ دیا اور ایسا متعدد بار کیا۔''

اس روایت سے ان حضرات کا استدلال یہ ہے کہ اگر چہرہ کا پردہ لازم ہوتا تو آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم فضلؓ کا چہرہ موڑنے کے بجائے اس عورت کو چہرہ کا پردہ کرنے کا حکم دیتے۔ ۲۸

دور جدید میں حجاب فرسودگی کی علامت

دور جدید کے لیے حجاب کی یہ تعلیمات دور قدیم کی یادگار اور ناقابل قبول ہیں۔ وہ انہیں عورت کی آزادی کے خلاف اور اس کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ تصور کرتا ہے۔ اس کے نزدیک آج حالات بدل چکے ہیں اور نئے تقاضے سامنے ہیں جب تک عورت ان بندشوں سے نجات نہ پائے موجودہ حالات کا اور ان کے تقاضوں کا ساتھ نہیں دے سکتی اور ترقی

۲۶۔ النور ۲۴:۳۱ ۲۷۔ الاحزاب ۳۳:۵۹

۲۸۔ یہ حدیث صحاح ستہ میں تین صحابہ کرام حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت اسامہ بن زیدؓ اور حضرت فضل بن عباسؓ سے مروی ہے۔ روایت میں صراحت ہے کہ یہ حجۃ الوداع کا واقعہ ہے۔ آنحضورؐ نے عرفات سے واپسی پر مزدلفہ تک حضرت اسامہ بن زیدؓ کو اور وہاں سے منیٰ تک حضرت فضل بن عباسؓ کو اپنی سواری پر اپنے پیچھے بٹھا لیا تھا۔ اس دوران لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر حج کے مسائل دریافت کرتے تھے۔ اسی موقع پر یہ واقعہ پیش آیا تھا۔ ملاحظہ کیجئے صحیح بخاری، کتاب الحج، باب حجة الوداع (ح ۴۳۹۹) اور دیگر ابواب، صحیح مسلم، کتاب الحج، باب حجة النبیؐ اور دیگر ابواب، نیز دیگر کتب احادیث۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حالت احرام میں عورت کو چہرہ پر نقاب ڈالنے سے منع کیا ہے (صحیح بخاری، کتاب جزاء الصید، باب ماینهی من الطیب للحرم والمحرمة، ح ۱۸۳۸) تو مذکورہ واقعہ سے، جو حالت احرام کا ہے، پردہ سے چہرہ کے خارج ہونے پر کیوں کر استدلال کیا جا سکتا ہے؟

نہیں کرسکتی۔ دورِ جدید میں پردے کے حوالے سے مولانا جلال الدین عمری فرماتے ہیں:

''دور جدید کی تہذیبی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس نے عورت کے اندر بے حیائی اور عریانی کا رجحان پیدا کردیا، یہ رجحان جس زور اور قوت سے بڑھتا گیا اس کی عریانی میں بھی اضافہ ہوتا چلا گیا۔ عورت کی عریانی سے مرد کو جنسی لذت حاصل ہوتی ہے، اس لیے اس نے اس پر نہ تو کوئی اعتراض کیا اور نہ کوئی پابندی ہی لگائی بلکہ اسے اور بڑھانے کی کوشش کی۔ اس نے عورت کے ذہن میں یہ تصور بٹھا دیا کہ اس کے حسن و جمال کو عریاں اور بے حجاب ہونا چاہیے۔ یہ اس کی شخصیت کی توہین ہے کہ اسے سات پردوں میں چھپایا جائے۔ صنف مقابل سے اس کا حجاب غیر فطری ہے۔ اس کا لباس اس کے جسم کی خوبیوں کو پوشیدہ رکھنے کے لیے نہیں۔ انہیں بے نقاب کرنے کے لیے ہے تاکہ صنف مقابل کی کشش اس کی طرف بڑھے۔ اس کے خوابیدہ جذبات تک جاگ اٹھیں اور وہ اس کی طرف بے تابانہ کھینچ پڑے۔ جس لباس میں دل ربائی کی یہ شان نہ ہو وہ عورت کے تن نازک پر زیب نہیں دیتا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ عورت کے لباس میں ایسی قطع و برید شروع ہوگئی کہ اس کے جسم کے سارے پیچ وخم نمایاں ہونے لگے اور ان حصوں کی بھی نمائش ہونے لگی جن کا کبھی کسی کے سامنے کھلنا معیوب سمجھا جاتا تھا۔ اب بہم ہر چند دھجیاں بڑی ناگواری کے ساتھ رہ گئی ہیں۔ معلوم نہیں وہ بھی کب اتر جائیں گی۔ خیال ہوتا ہے کہ شاید یہ بوجھ اسے زیادہ دنوں تک اٹھانا نہیں پڑے گا اس لیے کہ مکمل عریانی کی تبلیغ شروع ہوچکی ہے اس کے حق میں دلائل فراہم کیے جا رہے ہیں، اسے عین فطرت کہا جارہا ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ اس طرف قدم بڑھا چکی ہے۔ انسانی فطرت کی اس طرح توہین اس سے پہلے کبھی نہ ہوئی ہوگی''۔[۲۹]

طالبان کی قید میں رہنے والی برطانوی نومسلم خاتون ایوان ریڈلے اپنے تجربات بیان کرتے ہوئے کہتی ہیں:

''برطانیہ کے سابق سیکرٹری خارجہ جیک سٹرا کا یہ تبصرہ نہایت افسوسناک ہے کہ مسلمان عورتوں کی طرف سے پہنا جانے والا نقاب باہمی تعلقات کی راہ میں ایک رکاوٹ ہے۔ وزیراعظم ٹونی بلیئر، سلمان رشدی اور اطالوی وزیراعظم رومانو پروڈی نے بھی جیک سٹرا کی حمایت میں بیان دے دیے۔ اب جبکہ مجھے بغیر نقاب اور مع نقاب دونوں صورت احوال کا تجربہ ہے۔ میں آپ کو بتا سکتی ہوں کہ میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ میں ان حضرات کے اس موقف پر روؤں یا ہنسوں کہ نقاب سے باہمی میل جول مشکل ہوجاتا ہے۔ کیا واہیات بات ہے؟ اگر ایسی ہی بات ہے تو پھر موبائل فون، ای میل اور فیکس کے استعمال کا کیا جواز ہے؟ اور پھر جب ریڈیو پر سامع کو بولنے والے کا چہرہ نظر نہیں آتا تو وہ ان سب چیزوں کو بند کیوں نہیں کردیتا؟''[۳۰]

۲۹۔ سید جلال الدین عمری، مسلمان عورت کے حقوق اور ان پر اعتراضات کا جائزہ، ص۵۶

۳۰ Evon Ridely: How I come to Love the veil.Washington Post 240ct 2006

حجاب کے بارے میں انتہا پسندی کی جاہلی کوششوں کے حوالے سے جناب عبدالغفار عزیز لکھتے ہیں:

''صدر مملکت عبداللہ گل کی اہلیہ ہوں، وزیراعظم طیب اردگان کی صاحبزادیاں ہوں یا دیگر کروڑوں ترک خواتین کسی کو اس بات کی اجازت نہیں ہے کہ وہ کسی بھی تقریب میں جاتے ہوئے سر ڈھانپ سکیں۔ چہرے کا پردہ نہیں سر اور گردن کو دوپٹے یا اسکارف سے ڈھانپ لینا ہی اتنا بڑا جرم ہے کہ اس پاداش میں ہزاروں طالبات کو حصول تعلیم سے محروم کر دیا جو طالبات اپنے ایمان کے باعث کہ حجاب امر خدا واندی ہے سرگردن اور سینے پر با وقار اسکارف اوڑھ کر آتی ہیں تو تعلیمی اداروں میں پہنچ کر اپنے اسکارف کو نوچ کر بیگ میں چھپا لیتی ہیں کہ ایسا نہ ہو کہ حصول علم سے محروم ہو جائیں۔[۳۱]

مسلمان عورتوں میں بے پردگی درحقیقت مغربی تہذیب کی فتح ہے اور بے پردہ عورت گویا مغرب کا مال غنیمت ہے۔ دراصل پردہ مسلمانوں کے عقائد کا آئینہ دار ہے اس لیے دشمنان اسلام اس پر ضربیں لگاتے ہیں۔ مغربی دنیا کے نزدیک پردہ ایک پتھر ہے جس کے نیچے عورت دبی پڑی ہے وہ پردے کے خلاف نفرت کیے بغیر نہیں رہتی۔ اہل مغرب کے پروپیگنڈے کی تمام تر بنیاد پر پردے کے بارے میں منفی اور مخالفانہ خیالات ہیں۔[۳۲]

ان خیالات نے نہ صرف مغرب کی عمومی رائے عامہ کو جانبدار نہیں بنایا بلکہ متعدد مسلمان دانشور بھی اس سے متاثر ہوئے اور اپنے آپ کو ترقی پسند اور روشن خیال ظاہر کرنے کے لیے انہوں نے پردے کو اسلام کا لازمی حصہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کے لیے پرائیویٹ چینل جیو پر ''غامدی'' کے عنوان سے دو پروگرام بالترتیب 22 فروری اور 2 مارچ 2007ء کو پیش کیے گئے۔ اس پروگرام میں محترم نے قرآن کی چند آیات کی جو ترتیب بیان کی وہ ان کی اپنی دیانتدارانہ رائے تھی۔ جن سے اسی قسم کے خیالات کا اظہار ہوتا ہے کہ ہمارے مسلمان دانشور بھی معاشرے کو ایک ترقی پسند اور روشن خیال معاشرہ بنانا چاہتے ہیں یہاں چند قابل اعتراض نکات تحریر کیے جا رہے ہیں:[۳۳]

i۔ محترم کے نقطہ نظر کے مطابق سورۃ الاحزاب جن حالات میں نازل ہوئی اس کے نتیجے میں امہات المؤمنین کو مخاطب کیا گیا اس سے مراد عام عورتیں نہیں تھیں جبکہ زیر بحث آیت الاحزاب (59) میں اللہ تعالیٰ نے خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے عورتوں کی تین اقسام کے لیے حکم دیا۔

1۔ ازواجک (آپ کی بیویاں)

2۔ وبنتک (آپ کی بیٹیاں)

3۔ ونساء المومنین (مومنین کی عورتیں)

سورۃ الاحزاب میں بیان ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ذٰلِكَ

۳۱۔ عبدالغفار عزیز ماہنامہ ترجمان القرآن، مارچ ۲۰۰۸

۳۲۔ ام عبداللہ، اے ماؤں بہنوں بیٹیوں، ص ۳۲

۳۳۔ غامدی جاوید احمد، جیو ٹی وی پروگرام: غامدی، ۲۲ فروری ۲۰۰۷

اَدْنٰٓی اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَا یُؤْذَیْنَ وَکَانَ اللّٰہُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا﴾ ۳۴

''اے نبیؐ اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور اہل ایمان کی عورتوں سے کہہ دو کہ اپنے اوپر اپنی چادروں کے پلو لٹکا لیا کریں۔ یہ زیادہ مناسب طریقہ ہے تاکہ وہ پہچان لی جائیں اور نہ ستائی جائیں۔ اللہ غفور ورحیم ہے۔''

اب محترم فرماتے ہیں کہ نساء المؤمنین کے زمرے میں صرف وہ عورتیں آتی ہیں جو اس وقت اس مخصوص حالات سے گزر رہی تھیں اور بعد کے زمانے میں آنے والی نساء المومنین اس حکم میں داخل نہیں ہوتیں۔

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ ''قرآن کے بہترین ترجمان عبداللہ بن عباس ہیں'' اور حضرت عبداللہ بن عباس اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ مسلمان عورتوں کو حکم دیتا ہے..... ۳۵

لہٰذا عبداللہ بن عباس کے یہ الفاظ اس رائے کو سرے سے ہی رد کر دیتے ہیں۔

غامدی صاحب کا تیسرا نکتہ ہے کہ اگر حجاب کی خاص وضع (ان کے مطابق چہرہ کھول کر بقیہ جسم ڈھانپنا) کے ذریعے عورتیں پہچانی جا رہی ہوں اور ستائی نہ جا رہی ہوں، تو وہ اسے اختیار کریں۔ لیکن اگر حالات الٹ ہو جائیں (مثال دی گئی 9/11) تو اس وضع کو چھوڑ کر کوئی اور بھی فیصلہ کر سکتی ہیں۔ جس سے ''نہ ستائے جانے'' کا مقصد پورا ہو جائے۔

اب ان انوکھے دلائل کو کس بنیاد پر درست سمجھا جائے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ کوئی بھی دور ہو، مسلم خاتون نے بغیر کسی دباؤ کے اپنی مرضی سے پر پردہ شروع کیا اس کے پیچھے حکم خداوندی اور تقویٰ ہوتا ہے۔ پردہ اللہ کا حکم ہے۔ حالات کا تقاضا نہیں اور اگر عورت پردہ اختیار کرتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ خود کو اللہ کے حکم کی تعمیل میں چھپا لیتی ہے اور اگر جدید معاشرہ اسے اس کے حجاب کو علامت ایمان سمجھ کر ٹارگٹ بنائے یا ستائے تو اسے حجاب کو ختم کرنے کی تاویلیں نہیں ڈھونڈنی چاہئیں اسے اللہ کا حکم سمجھ کر اپنے رب پر پورا بھروسہ کرے۔

﴿وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مَخْرَجًا ○ وَّیَرْزُقْہُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ وَمَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ اِنَّ اللّٰہَ بَالِغُ اَمْرِہٖ قَدْ جَعَلَ اللّٰہُ لِکُلِّ شَیْءٍ قَدْرًا﴾ ۳۶

''جو کوئی اللہ سے ڈرتے ہوئے کام کرے گا اللہ اس کے لیے مشکلات سے نکلنے کا کوئی راستہ پیدا کر دے گا اور اسے ایسے راستے سے رزق دے گا جدھر اس کا گمان بھی نہ جاتا ہو۔ جو اللہ پر بھروسہ کرے اس کے لیے وہ کافی ہے۔ اللہ اپنا کام پورا کر کے رہتا ہے۔ اللہ نے ہر چیز کے لیے ایک تقدیر مقرر کر رکھی ہے''۔

یعنی اسلام جو ہمیں تعلیم دیتا ہے اس میں انسان ہی کے لیے ہدایت اور کامیابی چھپی ہے اور جو لوگ صحیح معنوں میں اسلام کو سمجھ لیتے ہیں اور حکم الٰہی سمجھ کر اسے اپنی زندگیوں میں شامل کر لیتے ہیں ایسے ہی لوگوں کے لیے کامیابی ہے۔

مغرب زدہ معاشرے میں جہاں اسلام کے خلاف پروپیگنڈا کیا جا رہا ہے اس معاشرے کے لوگ اس طرز زندگی سے تنگ آ کر اسلام کی راہ اختیار کرتے چلے آ رہے ہیں۔

۳۴۔ الاحزاب ۳۳:۵۹ ۳۵۔ تنویر المقباس، فی تفسیر ابن عباسؓ ۴۴۴/۱، بحوالہ: www.altafasir.com

۳۶۔ الطلاق ۶۵:۲،۳

برٹش ٹیلی ویژن کے عملہ کی ایک خاتون 'میری واکر' نے حجاب پردہ کے بارے میں مسلم خواتین سے انٹرویو لینے کے بعد اپنے تاثرات ان الفاظ میں بیان کیا۔

''ایک حد تک یہ خواتین مجھ سے زیادہ آزاد ہیں۔ کیونکہ مجھے اپنی قسمت پر کم اختیار ہے۔ میں اب ان خواتین کو یہ کہنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں کہ وہ ظلم کا شکار ہیں اور میں نہیں ہوں۔ میری زندگی بھی مردوں کے دائرہ اثر سے خالی نہیں جیسا کہ ان کی،لیکن مجھ سے تو انتخاب کی آزادی بھی چھین لی گئی ہے، ان خواتین کے حالات اور ان کے دلائل نے بالآخر میری اپنی آزادی کے بارے میں اپنے تصورات کی خامیوں کو آشکار کر دیا''۔۳۷

ماضی قریب میں ہالینڈ کے فلم سازوان گوتھ نے جب اپنی رسوائے زمانہ کے ذریعے اسلام اور مسلمانوں تشخص مجروح کیا تو ایک مراکشی نوجوان نے اسے واصل جہنم کیا،جس پر سارے یورپ نے آسمان سر پر اٹھالیا۔اس وقت کے ہالینڈ کے نائب وزیراعظم وزیرخزانہ گیریٹ چام نے 15 اکتوبر 2004ء کو کہا کہ ''اسلامی بنیاد پرستوں کو مکمل طور پر کچل دیا جائے گا،خواہ اس کے لیے کتنا ہی مالی خسارہ کیوں برداشت نہ کرنا پڑے۔''وان گوتھ کے قتل کے بعد مسلمانوں پر منظّم حملے ہوئے،ان کی املاک کو نقصان پہنچایا گیا،ان کے سکولوں کو مسمار اور مساجد کو شہید کیا گیا۔اس کے بعد ڈنمارک،جرمنی اور دوسرے مغربی اخبارات نے توہین آمیز خاکے بنا کر اپنے خبث باطن کو آزادی اظہار کا نام دیا۔دوسری طرف مغرب کی انتہا پسندی کا یہ عالم ہے کہ وہ محض ایک کپڑے کے ٹکڑے ''اسکارف'' کو سیکولر ثقافت کے لیے خطرہ قرار دیتا ہے۔۳۸

حقوق نسواں کے علمبرداروں نے مسلمان عورتوں کو بے توقیر کرنے کے لیے گزشتہ دو دہائیوں سے حجاب کے خلاف مہم جوئی شروع کر رکھی ہے۔ فرانس میں جہاں 60 لاکھ سے زائد مسلمان رہائش پذیر ہیں وہاں 1989ء،1992ء میں مسلم طالبات اور 2003ء میں مسلم ملازمت پیشہ خواتین کو حجاب سے روکنے کے لیے باقاعدہ تحریکیں چلائی گئیں اور پھر قانون سازی کی گئی۔اس وقت کے وزیراعظم فرانس جین پیری رافرین نے کہا کہ ''فرائض کی ادائیگی کے دوران مسلم خواتین حجاب ترک کرانے کے لیے باقاعدہ قانون سازی کی جائے گی تاکہ لباس میں سیاسی تعلق یا مذہبی لگاؤ کے تمام نشانات کو مٹایا جاسکے اور فرانسیسی سیکولرازم کی حفاظت اور فرانس میں مقیم تمام خواتین کو بنیاد پرستی کے دباؤ سے محفوظ رکھا جاسکے۔'' فرانس کے اس وقت کے صدر یاک شیراک نے تیونس کے دورے کے دوران ایک تقریب سے خطاب کرتے ہوئے کہا:''مکمل سیکولر فرانسیسی حکومت طالبات کو یہ اجازت نہیں دے سکتی کہ وہ اپنے ہدایت یافتہ ہونے کا اعلان کرتی پھریں،حجاب میں جارحیت کی جھلک دکھائی دیتی ہے فرانس میں ظاہری مذہبی علامتوں کے ذریعے دوسروں کو کھلم کھلا اپنے دین کی طرف بلانے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔''۳۹

فرانس کے موجودہ صدر نکولس سرکوزی نے حجاب کے متعلق یہ کہا کر کہ ''برقع پوش خاتون کسی قیدی کی طرح نظر آتی ہے، جسے سر بازار اپنا چہرہ چھپانے پر مجبور کیا گیا ہو،ایسی خاتون اپنی شناخت اور انفرادیت کھو چکی ہے جو آزادی نسواں کی کھلی نفی

۳۷۔ ام عبداللہ باحجاب زندگی کی برکتیں،ص ۲۸

۳۸۔ جنگ رپورٹ،حجاب کے خلاف مغرب کی معاندانہ مہم،روزنامہ ۳۱ جولائی ۲۰۰۹ء

۳۹۔ عبدالغفار عزیز،فرانس میں سکارف پر پابندی،ماہنامہ ترجمان القرآن،فروری ۲۰۰۴،ص ۷۹

ہے اور فرانس جیسے جمہوری معاشرے میں کسی عورت کو ستر پوشی کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔'' بعض فرانسیسی سیاستدانوں کا اپنا یہ عالم ہے کہ وہ رشتہ ازدواج کے بغیر ایک ماڈل گرل کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں۔فرانس کے جس جمہوری معاشرے کی سرکوزی بات کررہے ہیں کیا اسی معاشرے میں عیسائی راہبائیں عورتیں موجود نہیں، کیا ان کے مخصوص لباس پر قانون حرکت میں آسکتا ہے؟ کیا یہ مخصوص لباس مذہبی تعلق کی علامت نہیں؟ اس نشان کو کیوں نہیں مٹایا جاتا۔

2004ء میں جرمنی کے ایک شہر ڈارمسٹرڈ(Darr Mastard) میں جرمنی کی 16 ریاستوں کے وزرائے تعلیم، ثقافت ومذہبی امور کا اجلاس منعقد ہوا جس میں حجاب کے مسئلے پر تفصیلی بحث مباحثے کے بعد جرمنی کی 16 میں سے 7 ریاستوں نے حجاب پر پابندی لگانے کی حمایت کی۔ پہلے اقدام کے طور پر مسلم استانیوں کو تعلیمی اداروں میں حجاب پہن کر آنے سے روک دیا گیا اور اس کے بعد مسلم طالبات سے کہا گیا کہ وہ تعلیم جاری رکھنا چاہتی ہیں تو وہ اس اسکارف کو پہن کر سکول نہ آیا کریں حالانکہ جرمنی کے آئین کے آرٹیکل 4 کی رو سے جرمنی میں رہائش پذیر ہر فرد کو اپنے مذہبی شعائر کے مطابق زندگی گزارنے کی ضمانت مہیا کی گئی ہے۔

ناروے میں حجاب پر پابندی کی مہم کو رفتہ رفتہ آگے بڑھایا جارہا ہے لیکن بنیادی انسانی حقوق کے لیے کام کرنے والی تنظیموں کے دباؤ نے اس پابندی کو فی الحال تجارتی مراکز اور سپر سٹوروں پر کام کرنے والی خواتین تک محدود رکھا ہے مگر حجاب پر پابندی کے لیے ایک نیا جواز گھڑا جارہا ہے۔ ناروے کے ایک وزیر کا کہنا ہے: ''حجاب بظاہر قابل اعتراض نہیں لیکن اگر اس سے انسانی صحت کو کچھ مسائل درپیش ہوں تو حجاب پر پابندی لگائی جاسکتی ہے''۔ بیلجیم کے حجاب مخالف حلقے پاسپورٹ اور شناختی کارڈوں کے اجراء کے لیے تمام خواتین کو ننگے سر ہونے کو درست شناخت کے لیے ضرورت قرار دیتے ہیں تاکہ کسی ابہام اور شک وشبے کی گنجائش نہ رہے۔ حجاب کے خلاف اس مہم نے مغرب اور یاران مغرب کو بے نقاب کردیا ہے۔ وہ سیکولرازم کے ہزاروں لبادے اوڑھ لیں، ان کی اصلیت وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتی رہتی ہے۔ مکالمہ، بین المذاہب کانفرنسوں اور سیمیناروں سے 'کروسیڈ' کو چھپایا نہیں جاسکتا۔[۴۰]

''اسکارف ڈارون کا بندر نہیں ہے۔ لیکن اس کے باوجود سیکولر اور لبرل مغرب اور روس کے مقامی متاثرین نے اسکارف کو ارتقاء کے مختلف مراحل سے گزارا ہے۔ ایک وقت تھا کہ اسکارف یا پردے کو مسلم خواتین کی ذہنی پسماندگی کی علامت قرار دیا جاتا تھا۔ اس کا مفہوم یہ تھا کہ بیچاری مسلم خواتین پڑھی لکھی تو ہوتی نہیں۔ انہیں نہ عصر کا شعور ہے نہ جدید دنیا کا فہم ہے۔ نہ ان کے پاس تعلیم ہے نہ سماجی مرتبہ ظاہر ہے وہ اس صورت میں منہ چھپائے نہ پھریں اور کیا کریں؟''

> ''اگلے مرحلے پر اسکارف یا پردے کو ظلم وجبر کی علامت باور کرایا گیا اور کہا گیا کہ مردوں کی بالادستی یا ان کے شاونزم کا استعارہ ہے۔ دراصل مسلم دنیا کے مرد کم نظر اور پسماندہ ہیں اور انہیں خواتین پر ظلم کرنے میں ایک لطف محسوس ہوتا ہے''۔[۴۱]

بعدازاں پردے کو اسلام کے ایک سیاسی بیان کے طور پر لیا گیا اور کہا گیا کہ یہ معاملہ دراصل سیاسی اسلام کے

۴۰۔ رپورٹ حجاب کے خلاف مغرب کی معاندانہ مہم، روزنامہ جنگ ۳۱ جولائی ۲۰۰۹ء

۴۱۔ شاہنواز فاروقی، اسکارف کا سیاسی ارتقاء، جسارت کراچی، ۶ جون ۲۰۰۸ء

پیروکاروں کا ابھار ہوا ہے۔ جوخودانتہاپسندی کی علامت ہیں اورنہیں اسی لیے پردے جیسی انتہاپسندی پسند ہے۔لیکن دنیا کے بدلتے ہوئے حالات اورتناظرنے پردے کوایک ثقافتی اورتہذیبی بیان میں ڈھال دیا۔

11 ستمبر کے بعداس سلسلے میں بنیادی تبدیلی یہ ہوئی ہے کہ اب اسکارف یورپ ہی نہیں ترکی میں بھی ''' آزادی کی علامت''بن کرسامنے آ گیاہے یہی وجہ ہے کہ اہل یورپ ہوں یاترکی کی جرنیل اورسیکولرسیاسی عناصرانہیں اسکارف آزادی کی علامت کے طور پرنہایت خطرناک محسوس ہورہاہے۔پسماندگی کی علامت سے آزادی کی علامت تک اسکارف کاارتقاء حیرت انگیز ہےاس نے ترکی ہی نہیں پورے یورپ کی سیکولرلبرل ثقافتی وسیاسی اسٹیبلشمنٹ کی برداشت اورعدم برداشت کوپوری طرح عیاں کر دیا ہے۔ ڈھائی تین فٹ کپڑے کی اوقات ہی کیاہےلیکن معلوم ہواکہ اگراس پراسلام کی مہرلگادی جائے توڈھائی فٹ کپڑافرانس کی پارلمنٹ سے قانون سازی کراسکتاہے اورترکی میں تین فٹ کپڑاحکومت کی برطرفی کاسبب بن سکتاہے۔انسانی تاریخ میں اتنی چھوٹی سی شے کوشاید ہی کبھی اتناطاقت وردیکھا گیاہو۔۴۲

حجاب اورمغرب کا تعصب

بیلجیئم کی پارلیمانی تاریخ میں پہلی بارایک مسلمان خاتون کےمنتخب ہونے کے بعد یہ تنازعہ اٹھ کھڑا ہواہے کہ اسے اسکارف کے ساتھ حلف اٹھانے دیا جائے یانہیں۔ اسکارف کی مخالف سیاسی جماعتیں اس حوالے سے یہ موقف رکھتی ہیں کہ بیلجیئم کےقوانین کی رو سےکوئی بھی با حجاب خاتون رکن پارلیمنٹ کی حیثیت سے حلف نہیں اٹھاسکتی، اس لیے انہیں نااہل قرار دیا جائے۔ ترکی سے تعلق رکھنے والی مسلمان خاتون ماہ نور ازدمیر کا کہناہے کہ وہ نہ صرف حلف اٹھاتے وقت اسکارف پہنے رہیں گی بلکہ پارلیمنٹ میں بھی اسکارف پہن کر آئیں گی۔

برسلز کےمشہورعرب جریدے الشرق اولاسط کے نمائندے کےمطابق اس نے بیلجیئم کے انتخابات سے ایک روزقبل ماہ نور سے پوچھا کہ کیا انہیں یہ خدشہ نہیں کہ برسلز کی پارلیمنٹ میں انہیں اسکارف کے ساتھ داخلے کی اجازت نہیں ملے گی ؟ جواب میں ماہ نور نے نہایت سکون کے ساتھ کہا کہ وہ انتخابات یا پارلیمنٹ کی وجہ سے اپنا اسکارف ہرگزنہیں اتاریں گی۔لوگوں کوان کے کام کی طرف دیکھنا چاہیے نہ کہ اسکارف کی طرف۔ ماہ نورکی کامیابی سے بیلجیئم کی مسلمان کمیونٹی اورسیکولرکمیونٹی کے درمیان ایک سردجنگ کا آغاز ہوگیاہے۔ نااہل قرار دینے والوں کا کہناہے کہ وہ بیلجیئم کی ثقافت کوتباہ کرنا چاہتی ہیں، اس لیےان کونمائندگی کا کوئی حق نہیں۔

ماہ نورازدمیر 36 سالہ ترک نژادمسلمان ہیں۔ انتخابات میں کامیابی کے بعدان کی پارٹی بھی ان کی مخالفت کررہی تھی کہ وہ اسکارف اتاردیں۔ وہ پارٹی کے لیے ایک عرصے سے کام کررہی ہیں اوراس سے پہلے وہ پارٹی کےٹکٹ پرکونسلر کا انتخاب بھی جیت چکی ہیں۔ انتخابات کے دوران پارٹی کی جانب سے جاری پوسٹر سے ان کی تصویر سے اسکارف غائب کردیا گیا۔اس پرانہوں نے پارٹی قیادت سے احتجاج کیا جس پر پارٹی نے باقاعدہ طور پران سے معذرت کی۔

الشرق الاوسط کے نمائندے نے ان سے پوچھا کہ پارلیمنٹ میں جا کر وہ ترجیحاً کن مسائل کوحل کرنے کی کوشش

۴۲۔ شاہنواز فاروقی ،اسکارف کا سیاسی ارتقاء، جسارت کراچی،٦ جون ۲۰۰۸ء

کریں گی تو ان کا کہنا تھا:

''تعلیمی اداروں میں حجاب پر پابندی ختم کرانا ان کی اولین ترجیح ہوگی۔ اسی طرح عیدالاضحیٰ اور بعض دوسرے مواقع پر مسلمانوں کو اپنے گھروں میں جانور ذبح کرنے کی اجازت، نیز مسلمان تنظیموں کے عطیات جمع کرنے پر پابندی کے خلاف بھی وہ آواز اٹھانا چاہتی ہیں''۔۴۳

دوسرا واقعہ برطانیہ کی خاتون مسلمان ڈاکٹر سیدہ مسرت شاہ کی ملازمت سے برطرفی سے متعلق ہے۔ ان کو محض اس لیے ملازمت سے برطرف کر دیا گیا کہ وہ ہر جمعہ کو باقاعدگی کے ساتھ ہسپتال کے قریب واقع مسجد میں نماز کی ادائیگی کے لیے جاتی تھیں۔ برطانوی اخبار ٹیلی گراف کی رپورٹ کے مطابق ہسپتال کی انتظامیہ نے نماز کی ادائیگی کے لیے ان کو صرف پانچ منٹ کا وقت دیا کہ وہ نماز ادا کر کے ڈیوٹی پر واپس آ جائیں یا نماز کی ادائیگی ترک کر دیں۔ نماز جمعہ کی ادائیگی ترک کرنے سے انکار پر ملازمت سے نکالی جانے والی ڈاکٹر مسرت شاہ کا کہنا ہے کہ انھیں نماز سے دوری قبول نہیں۔ اس حوالے سے وہ کسی قسم کا دباؤ قبول کرنے کے لیے تیار نہیں۔

31 سالہ ڈاکٹر مسرت شاہ برطانوی علاقے لیڈز کے ایک ہسپتال میں بطور سرجن کام کرتی ہیں۔ ایمپلائز ٹریبونل میں اپنی برطرفی کے خلاف دائر کیے جانے والے مقدمے میں ان کا کہنا تھا کہ ان کو مسلمان ہونے کی وجہ سے نسلی تعصب اور مذہبی امتیاز کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ ان کے قریبی ساتھیوں نے بھی ان کے مذہبی جذبات کو مجروح کیا۔ اس کے چار ساتھی ڈاکٹروں کو ان کی یہ روش پسند نہ تھی کہ وہ ہر جمعے کو باقاعدگی سے مسجد جائیں اور شہر بھر سے آئی ہوئی مسلمان خواتین کے ساتھ نماز جمعہ کی ادائیگی کا شرف حاصل کریں، جب کہ جمعہ کے روز ان کے حصے میں کسی بھی سرجری کا کوئی شیڈول نہیں ہوتا تھا۔ لیکن ساتھی ڈاکٹروں کے اعتراض کے بعد نماز کے وقت سرجری کا کام تفویض کر دیا جاتا تھا جس سے ان کو دقت کا سامنا کرنا پڑتا۔ حالانکہ اس سے پہلے کئی برس تک ایسا نہیں ہوا۔ ڈاکٹروں کے مسلسل اصرار پر انہوں نے 8 اگست 2008ء سے نماز جمعہ کی ادائیگی کے لیے جانا ترک کر دیا اور ہسپتال میں انفرادی طور پر نماز ادا کرنا شروع کر دی لیکن اس کے باوجود انتظامیہ اور ساتھی ڈاکٹروں کی تشفی نہ ہوئی اور ان کو ملازمت سے برطرف کر دیا گیا۔ انچارج ڈاکٹر مارکوس جولیر نے کہا کہ دنیا کا کوئی کام یا نماز سرجری سے زیادہ اہم نہیں۔ اس لیے سرجری کے لیے نماز ترک کر دینی چاہیے۔ دوسری طرف یہی مغرب ہے جو انسان کے بنیادی حقوق اور مذہبی آزادی کا دعویٰ بھی کرتا ہے۔ کیا یہ تضاد اور دوہرا معیار نہیں؟

یکم جولائی 2009ء جرمنی کے شہر ڈریسڈن میں ایک مسلمان خاتون 32 سالہ مروہ الشربینی کو بھری عدالت میں اس وقت شہید کر دیا گیا جب اس نے انصاف کے حصول کے لیے عدالت کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ اس کے ساتھ اسکا شوہر علوی عکاظ اور ڈھائی سالہ بیٹا مصطفیٰ بھی عدالت میں موجود تھے۔ شہید حجاب مروہ الشربینی کی شہادت کا دلخراش واقعہ ہر مہذب اور باشعور شخص کے لیے انتہائی تکلیف دہ ہے جو دلوں کو گداز اور آنکھوں کو تادیر نمناک کر دیتا ہے۔۴۴

اگست 2008ء میں مروہ الشربینی جو کہ مصری نژاد ہیں اپنے بیٹے کے ساتھ ایک پارک میں تھی کہ ملعون ایگزل

۴۳۔ میر بابر مشتاق، حجاب اور مغرب کا تعصب، ترجمان القرآن اگست ۲۰۰۹ء ص ۸۵

۴۴۔ میر بابر مشتاق، حجاب اور مغرب کا تعصب، ترجمان القرآن اگست ۲۰۰۹ء ص ۸۵

ڈبلیو نامی شخص نے مروہ کو حجاب میں دیکھ کر ''دہشت گرد'' کہا۔ جب مروہ نے اسے جواب دیا تو اس نے اللہ رب العزت اور نبی مہرباں ؐ کی شان میں گستاخی کی اور اسلام کی توہین اور مسلمانوں کو قتل کرنے کی دھمکی دی۔ پارک میں اس ہونے والے جھگڑے کی شکایت مروہ الشربینی نے مقامی عدالت میں کی۔ عدالت نے شربینی کے دعوے کو حق بجانب قرار دیتے ہوئے مذکورہ شخص کو جرمانہ کیا لیکن اس ملعون نے دوسری عدالت میں اس فیصلے کو چیلنج کر دیا۔۴۵

''عدالت نے دونوں کو طلب کیا۔سب سے پہلے مروہ الشربینی سے واقعے کی تفصیلات معلوم کیں اور اس کے بعد جرمن باشندے ایگزل سے کہا کہ وہ واقعہ بتائے تو اس نے کہا میرا بس چلے تو میں اس عورت کو حجاب پہننے کی ایسی سزا دوں کہ ہمیشہ یاد رکھے۔اس پر عدالت نے اس کو مسلمان عورتوں کو گالی گلوچ کرنے اور قتل کی دھمکی دینے پر 780 جرمن مارک یا 2800 یورو کا جرمانہ کر دیا اور اسے گرفتار کرنے کا حکم دیا۔ یہ سنتے ہی جنونی ملعون ایگزل ڈبلیو نے بھری عدالت میں اسلام کی با حجاب بیٹی پر خنجر سے حملہ کر دیا، اس کا حجاب نوچ ڈالا اور اس کے جسم پر خنجر سے وار کرنے شروع کر دیے۔ پولیس یہ خونی منظر دیکھنے کے باوجود مروہ الشربینی کو بچانے کے لیے آگے نہ بڑھی۔ مروہ کے شوہر علوی عکاظ نے چیخ چیخ کر عدالت میں کھڑی مسلح پولیس سے کہا کہ وہ اس کی بیوی کو بچائیں۔ مروہ کو بچانے کے بجائے پولیس نے اس کے شوہر کو دو گولیاں ماریں جس سے اس کی ٹانگیں شدید متاثر ہوئیں، حالانکہ وہ اپنی بیوی کو بچانے کے لیے آگے بڑھا تھا۔ اس دوران خونی قاتل نے مروہ کے شوہر پر بھی خنجر برسائے۔ زخمی علوی عکاظ اپنی باحجاب بیوی کو نہ بچا سکا۔ اسلام کی بیٹی نے بھری عدالت میں دم توڑ دیا۔ اسکندریہ میں جب شہیدہ کی میت پہنچی تو لاکھوں لوگوں نے بھرپور احتجاج کیا۔ مصری حزب اختلاف اخوان المسلمون نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ جرمنی کے ساتھ سفارتی تعلقات فی الفور ختم کیے جائیں اور 32 سالہ مروہ الشربینی کو شہید حجاب قرار دیا۔ افسوس کہ ہمارے بے حس حکمران صدائے احتجاج بھی نہ بلند کر سکے۔۴۶

جرمن اخبار برلن نیوز کی رپورٹ کے مطابق:

''مروہ کے قاتل کو جیل بھیج دیا گیا ہے۔ سرکاری پراسیکیوٹر نے قاتل کو دماغی امراض میں مبتلا ہونے کا شبہ ظاہر کرتے ہوئے طبی معائنہ کرانے کی استدعا کی جس کو عدالت نے مسترد کر دیا اور اس کو دماغی طور پر درست قرار دیا۔ پولیس ریکارڈ کے مطابق یہ شخص انٹرنیٹ بلاگز پر مسلمانوں، اسلام اور حجاب کے متعلق سخت کلمات لکھنے اور ان کے خلاف سخت ایکشن لینے کا حامی پایا گیا ہے۔ مروہ کے بیٹے مصطفیٰ کو جرمن حکومت نے اپنی تحویل میں رکھا ہوا ہے۔ شہید حجاب کی بڑی بہن اپنے اڑھائی سالہ بھانجے کے حصول کے لیے جرمنی میں عدالتی چارہ جوئی کر رہی ہیں۔۴۷

۴۵۔ میر بابر مشتاق، ایضاً، ماہنامہ چمن بتول اگست ۲۰۰۹ء ص ۶۰ ۴۶۔ ایضاً

۴۷۔ سلیم اللہ: شہیدۃ الحجاب، ماہنامہ چراغ اسلام اگست ۲۰۰۹ء ص ۲۴

مصری اخبارات میں شائع ہونے والے مضامین میں اس واقعہ کا اصل ذمہ دار فرانس کے صدر نکولس سرکوزی کو ٹھہرایا گیا ہے جس نے حجاب کے خلاف کھلا اعلان جنگ کر رکھا ہے۔ نکولس سرکوزی نے باقاعدہ طور پر فرانس میں حجاب کے خلاف اپنی مہم کے دوران متعصّبانہ ذہنیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا کہ برقع اور حجاب آمرانہ اقدام، نسل پرستی اور تعصب کا آئینہ دار ہے۔ برقع پوش خاتون کسی قیدی کی طرح نظر آتی ہے۔

حالانکہ اہل مغرب اب اس بات کا اعتراف کر رہے ہیں کہ لوگوں میں امراض کی بڑی وجہ عورتوں کا مختصر اور بھڑکیلا لباس ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یورپی ممالک میں 30 سال سے زائد عمر کے مردوں کی بڑی تعداد مثانے کے سرطان اور دیگر امراض میں مبتلا ہے جبکہ مشرق وسطیٰ کے مسلمان ممالک میں جہاں خواتین پورا اور ڈھیلا ڈھالا لباس پہنتی ہیں، یہ امراض نہ ہونے کے برابر ہیں۔ یہ بات روسی سائنسدان ڈاکٹر لیونڈ کیٹاف سائنک نے اپنی تحقیقی رپورٹ میں بتائی۔ ڈاکٹر لیونڈ کیٹاف نے خواتین میں مختصر لباس پہننے کے رجحان کو تنقید کا نشانہ بنایا اور کہا کہ خواتین کو یاد رکھنا چاہیے کہ اپنے طرز عمل سے وہ مردوں کے لیے قبریں کھود رہی ہیں۔ برہنہ ہو کر رقص کرنے والی خواتین ہی دراصل معاشرے میں وسیع تباہی پھیلانے والا ہتھیار ہیں۔ مسلم معاشروں میں خواتین پورا اور ڈھیلا ڈھالا لباس پہنتی ہیں اور انہیں اس لباس میں دیکھ کر مردوں میں عورتوں کے لیے احترام کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ ڈاکٹر لیونڈ کیٹاف جوروس کی اکیڈمی آف سائنسز کے ریسرچ انسٹیٹیوٹ آف کلچر ولوجی میں پروفیسر ہیں، کا کہنا ہے کہ خواتین میں مختصر لباس پہننے کے رجحان کو ختم کرنا ایک طویل اور مشکل کام ہے۔[۴۸]

جاپانی نومسلمہ خولہ لکاتا حجاب کے بارے اپنے تاثرات بیان کرتی ہوئی کہتی ہیں:

> ''1991 کے اوائل میں جب میں نے فرانس میں اسلام قبول کیا تو اسکول میں حجاب کا استعمال گرما گرم بحث کا موضوع بنا ہوا تھا۔ فرانسیسی معاشی مسائل سے دوچار تھے جس کے نتیجے میں بے روزگاری عام ہوئی۔ بے روزگاری کے اسباب میں سے ایک سبب مسلم ممالک سے آنے والے تارکین وطن کو سمجھا گیا۔ اپنے شہروں اور اسکولوں میں حجاب کو دیکھ کر ان کے اندر زبردست منفی رجحانات پیدا ہوئے۔ عوام کی اکثریت کا خیال تھا کہ پبلک ایجوکیشنل سسٹم میں حجاب استعمال کرنے کی اجازت دینا سیکولرازم کے خلاف ہے۔ میں اس وقت تک مسلمان نہ ہوئی تھی اس لیے یہ نہ سمجھ سکی کہ اگر کوئی طالبہ اپنے سر پر صرف کپڑا ڈال لیتی ہے تو اسکول اس کو اتنی اہمیت کیوں دے رہے ہیں؟ میں یہ بھی سمجھ سکی کہ مسلمانوں کے نزدیک حجاب استعمال کرنے کی اہمیت کیا ہے۔[۴۹]

لیکن میرا خیال تھا کہ عقائد اور مذہبی معاملات کی ادائیگی کے سلسلے میں اسکولوں کو غیر جانبدار رہنا چاہیے اور انہیں ان معاملات میں اس وقت تک دخل نہیں دینا چاہیے جب تک اس سے اسکول کا ڈسپلن خراب نہ ہو۔ (حجاب استعمال کرنے کی وجہ سے کچھ مسلم لڑکیوں کا فرانسیسی اسکولوں سے اخراج بھی ہو گیا تھا)۔ آگے وہ فرماتی ہیں:

> ''فرانسیسیوں کو دوسرے اہل مغرب کی طرح یہ توقع تھی کہ تاریخ میں حجاب کا نام مغربیت اور سیکولرازم

۴۸۔ روزنامہ ''ایکسپریس''، ۷ مئی ۲۰۰۸ء

۴۹۔ خولہ لکاتا، ''جاپانی نومسلمہ، حجاب کے اندر''، ترجمہ عبدالجلیل، ماہنامہ ترجمان القرآن، ص ۴۷، مارچ ۱۹۹۷ء

کے غلبے کے زیر اثر ختم ہوجائے گا لیکن عالم اسلام میں خاص طور سے نوجوان نسل کے اندر مختلف ممالک میں پردے کی طرف مراجعت کی ایک زبردست لہر پھیل رہی ہے۔ یہ موجودہ بیداری یا اسلامی احیا کا اظہار ہے چونکہ مسلمانوں کی عظمت اور تشخص کو نوآبادیاتی نظام اور معاشی استحصال کے ذریعے متعدد بار برباد کیا جا چکا ہے، اس لیے یہ عمل ان کی عظمت رفتہ کے دوبارہ حصول کی ایک علامت بن گیا ہے۔''۵۰

پھر خولہ لکاتا حجاب کے بارے میں جاپانیوں کے ردعمل کے بارے میں بیان کرتی ہیں:

''میرا تعلق جاپان سے ہے۔ تاریخی اعتبار سے مغربی ثقافت کا تجربہ ہم نے پہلی بار مسیحی دور میں، 1890ء کے عشرے میں کیا۔ جب جاپان دوسرے ممالک کے لیے بند کردیا گیا تھا۔ اس دور میں جاپانیوں کے اندر مغربی طرز زندگی اور لباس کے خلاف شدید ردعمل پیدا ہوا۔ اسی طرح ہم لوگوں کا عربوں نیز دوسرے مسلمانوں کی حمایت کا سبب قدیم روایت پسندی یا مغربیت کی مخالفت میں تلاش کیا جاسکتا ہے جس کا خود جاپانیوں کو تجربہ ہے۔ انسان کے اندر قدامت پسندی کا میلان جھلکتا ہے، لہٰذا وہ غیر شعوری طور پر نئے اور غیر مانوس طرز حیات کو قبول کرنے کے بجائے شدید ردعمل کا اظہار کرتا ہے۔ وہ کبھی یہ جاننے اور سمجھنے کے لیے نہیں رکتا کہ صحیح کیا ہے اور غلط کیا''۔۵۱

ایسا ہی ان غیر مسلموں کا معاملہ ہے جو حجاب کو ظلم کی علامت سمجھتے ہیں۔ ان کا اعتقاد ہے کہ مسلم عورتوں کو رسم و رواج کا پابند بنادیا گیا ہے اور وہ اپنی قابل افسوس حالت سے ناواقف ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ مسلم عورت کی نجات تحریک آزادی نسواں یا کسی ایسی اقتصادی ومعاشرتی اصلاح کے ذریعے ہوگی جو اس کو آزادی دے، اس کے ذہن کو بیدار کرے اور اسے رسم ورواج نیز حجاب کی پابندیوں سے آزاد کرے۔ لیکن اس خیال کی حقیقت ایک نومسلمہ کے اس بیان میں دیکھیے:

''قبول اسلام سے قبل میں چست پینٹ اور منی اسکرٹ زیب تن کرتی تھی۔ لیکن اب میری لمبی پوشاک نے مجھے بہت مسرور کیا اور میں نے سمجھا کہ میں ایک شہزادی کی طرح ہوں۔ ساتھ ہی ساتھ میں نے اس کو زیادہ آرام دہ پایا۔ میں نے سیاہ پوشاک کو ناپسند نہیں کیا۔ اس کے برعکس میں نے قاہرہ جیسے غبار آلود شہر میں اپنی کالی پوشاک کو زیادہ موزوں پایا۔ میری مسلم بہنیں اپنی سیاہ پوشاک اور دوپٹے میں بڑی دلکش لگتی تھیں اور جب اپنے چہروں سے نقاب اٹھاتی تھیں تو اندرونی نور نمایاں ہوتا تھا''۔۵۲

وہ مزید مغربی تعصّبات پر روشنی ڈالتے ہوئی کہتی ہیں:

''بڑا دلچسپ پہلو ہے کہ ایک مسلم اور ایک عیسائی یا بدھ راہبہ کی خارجی ہیئت میں بڑی حد تک مشابہت ہے۔ ایک بار میں پیرس کے سفر میں ایک کیتھولک راہبہ کے ساتھ کار میں سفر کررہی تھی۔ ہم میں اتنی مشابہت تھی کہ میں بمشکل اپنے تبسم کو روک سکی۔ کیتھولک راہبہ کا لباس اپنے آپ کو اللہ کے لیے وقف

۵۰۔ خولہ لکاتا، جاپانی نومسلمہ، حجاب کے اندر، ترجمہ عبدالجلیل، ماہنامہ ترجمان القرآن، ص ۴۷، مارچ ۱۹۹۷ء

۵۱۔ ایضاً ۵۲۔ ایضاً

کر دینے کی علامت ہوتا ہے اور اس کا احترام کیا جاتا ہے اور یہی اس کی پہچان بھی ہوتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح سے مسلم عورت کا حجاب بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرماں برداری کا مظہر ہوتا ہے۔ مجھے حیرت ہوتی ہے کہ لوگ ایک راہبہ کے لباس کا تو احترام کرتے ہیں اور مسلمان کے حجاب کو ہدف تنقید بناتے ہیں اور اسے ایک علامت کے بجائے انتہا پسندی اور مظلومیت کا مظہر گردانتے ہیں۔ منی اسکرٹ کا مطلب ہوتا ہے کہ ''اگر آپ کو میری ضرورت ہے تو مجھے لے جاسکتے ہیں۔'' حجاب صاف طور پر یہ بتاتا ہے کہ ''میں آپ کے لیے ممنوع ہوں۔''۵۳

میں سمجھتی ہوں کہ انسانی تہذیب کا آغاز اس وقت ہوا جب اس کے اندر شرم کا احساس ابھرا۔ اگر ایک انسان اپنی جسمانی خواہشات اور وظائف کی تکمیل چاہتا ہے اور ایسا کھلے عام کرتا ہے تو وہ جانور سے مختلف نہیں ہے۔ کیا یہی واحد راستہ ہے جس پر انسان سرپٹ چلا جا رہا ہے؟ سوال یہ ہے کہ مناسب لباس اور اخلاق کا تعین کون کرے گا؟ ..... خود انسان (جس کا معیار قدر ہوا کے رخ کے ساتھ بدلتا رہتا ہے) یا اللہ تعالیٰ؟ وہ اللہ ہی ہے جو انسان کے ہر زمانے کے حالات سے باخبر ہے، اسی لیے اس نے عوام میں ظاہر ہونے اور عمل کرنے کے صحیح طریقے کو واضح کر دیا ہے۔

ایک غیر مسلم کسی داڑھی والے مرد کو کسی ایک سیاہ برقع پوش خاتون کے ساتھ دیکھ کر اس جوڑے کے متعلق ایک ایسے ہیولے کا تصور کرسکتا ہے جو ظالم ومظلوم یا غالب ومغلوب ہو، اسلام میں شوہر وبیوی کا ایسا تعلق ایک صفت سمجھتی جاتی ہو۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس طرح عورت یہ محسوس کرتی ہے کہ اس کا احترام اور حفاظت ایک ایسے شخص کے ذریعے کی جاتی ہے جو واقعتاً اس کا لحاظ کرتا ہے، یا میں یہ کہہ سکتی ہوں کہ وہ اپنے آپ کو ایک ایسی شہزادی تصور کرتی ہے جس کا ہم سفر اس کا محافظ ہوتا ہے۔ یہ کہنا زبردست مغالطہ ہے کہ مسلم عورتیں مردوں کی نجی ملکیت ہیں اور انہوں نے حسد کی بنا پر اس بات سے روک دیا ہے کہ اجنبی مرد انہیں دیکھیں۔ ایک عورت اپنے آپ کو اللہ کے فرمان کی اتباع میں چھپائے رکھتی ہے تاکہ اس کو عظمت وسربلندی حاصل ہو۔ وہ گھورتی ہوئی اجنبی نگاہوں کا ہدف بننے یا اس کی شے ہونے سے انکار کر دیتی ہے۔ وہ مغربی عورتوں کے لیے ہمدردی اور ترحم کا جذبہ رکھتی ہے جنہیں نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

باہر سے حجاب کو دیکھ کر کوئی شخص اس کیفیت کا تصور ہی نہیں کرسکتا جس کا اندرون سے مشاہدہ ہوتا ہے۔ ہم اس معاملے کو دو مختلف زاویہ ہائے نظر سے دیکھتے ہیں۔ ایک غیر مسلم کو اسلام ایک جیل خانہ کی طرح نظر آتا ہے جس میں کسی طرح کی آزادی نہیں ہے۔ لیکن ہمیں اسلام میں رہ کر سکون، آزادی اور ایسی مسرت کا احساس ہوتا ہے جس کو کسی اور شکل سے نہیں سمجھا جاسکتا۔ ایک شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ جو کسی مسلم گھر میں پیدا ہوتا ہے وہ اسلام کو سب سے بہتر طرز حیات سمجھتا ہے، کیونکہ وہ اس سے ابتداء ہی سے واقف ہوتا ہے اور باہر کی دنیا کے کسی اور تجربے کے بغیر وہ بڑا ہوتا ہے لیکن میں تو پیدائشی مسلمہ نہیں ہوں، بلکہ میں نے اپنا مذہب تبدیل کیا ہے۔ میں نے نام نہاد آزادی اور جدید طرز حیات کی دلفریبیوں اور لذتوں کو خیر باد کہہ کر اسلام کا انتخاب کیا ہے۔۵۴

۵۳۔ خولہ لکاتا، ''جاپانی نومسلمہ، حجاب کے اندر''، ترجمہ عبدالجلیل، ماہنامہ ترجمان القرآن، ص ۴۷، مارچ ۱۹۹۷ء

۵۴۔ خولہ لکاتا، ''جاپانی نومسلمہ، حجاب کے اندر''، ترجمہ عبدالجلیل، ماہنامہ ترجمان القرآن، ص ۴۷، مارچ ۱۹۹۷ء

اگر یہ درست ہے کہ اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو عورتوں پر ظلم کر رہا ہے تو آج یورپ، امریکہ، جاپان اور دوسرے ممالک میں بہت سی خواتین اسلام کیوں قبول کر رہی ہیں؟ کاش کہ لوگ اس پر روشنی ڈالتے۔ کوئی شخص تعصب کی عینک لگا کر کسی ایسی عورت کی عظمت کا مشاہدہ کرنے کے لائق نہیں ہوسکتا جو حجاب میں پر اعتماد، مطمئن، پرسکون اور با وقار ہو، جس کے چہرے پر مظلومیت کا سایہ تک نہ ہو۔ قرآن وسنت کی واضح تعلیمات اور حجاب اور اسلام کے دیگر شعائر کے خلاف مغرب کی متعصّبانہ مہم جتنی تیزی سے پھیلتی جا رہی ہے اتنی ہی تیزی کے ساتھ قبولیت اسلام اور اسلام کے شعائر پر فخر بھی تیزی سے بڑھتا جا رہا ہے۔ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَاللّٰهَ وَاللّٰهُ خَيْرُالْمَاكِرِيْنَo

مغربی تہذیب کے قومی زبان پر اثرات

پاکستان جن علاقائی خطوں پر مشتمل ہے ان سے تعلق رکھنے والے عوام نے برطانوی تسلط سے نجات کے لیے طویل جدوجہد کی ہے سو سال سے زائد مدت پر محیط مزاحمتی متحرک اور غلامی کے تلخ تجربہ نے ان کے بطون میں سامراجی نظام اقدار اور اس کی جملہ نشانیوں کے خلاف ایک شعوری نفرت اور گریز کو جنم دیا ہے۔ انگریزی زبان کے خلاف باطنی گریز کا یہ رجحان مغرب کے اسلام دشمن رویوں اور پالیسیوں کے باعث مزید تقویت پا رہا ہے یہی وجہ ہے کہ ملک کے طول وعرض میں حشرات الارض کی طرح پھیلے انگریزی میڈیم اسکولوں کے باوجود ایک مراعات یافتہ مغربی تہذیب وترقی سے متاثر طبقہ کے سوا تعلیم کی عمومی سطح پر انگریزی زبان ابھی تک جڑ نہیں پکڑ سکی اور انگریزی تعلیم وتدریس کا معیار روز بروز گرتا جا رہا ہے۔ انگریزی زبان سے متعلق تحفظات کے خاتمہ، قومی زبان کی ابتدائی سطح پر معیاری تدریس اور درسی نصابی کتب کو مقامی تہذیب وثقافت سے ہم آہنگ کر کے ہی اساتذہ اور طلباء کے اس انگریزی گریز رویہ پر قابو پایا جا سکتا ہے۔

مرزا محمد الیاس تحریر کرتے ہیں:

> ''ایک عالمی لسانی جائزہ کے مطابق دنیا کے ہر ملک میں آئینی تقاضوں کے پیش نظر وہاں کی مشترکہ زبان، قومی زبان یا حسب ضرورت کوئی ایک یا زیادہ ملکی / غیر ملکی زبانیں بطور سرکاری زبان نافذ ہیں۔''۵۵

مسلمہ عالمی اعداد وشمار کے لحاظ سے چینی اپنے ۱۳۰۰ ملین بولنے والوں کی تعداد کے ساتھ دنیا کی سب سے بڑی زبان ہے۔ دنیا میں چینی بولنے والوں کی تعداد انگریزی بولنے والوں کی مجموعی تعداد کے دوگنا سے زیادہ بنتی ہے جبکہ اردو دنیا کی دوسری بڑی زبان ہے جو دنیا کے کئی دوسرے ممالک میں تجارتی وکاروباری زبان کی خدمات انجام دے رہی ہیں۔

ہر آزاد اور خودمختار ملک بلا شرکت غیرے ایک قومی زبان کا مالک ہوتا ہے جس کے بغیر اس کی آزادی کا تصور بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔ قومی زبان قوم کے تشخص وامتیاز کی ہمہ پہلو بنیادی قومی علامات میں سے ایک علامت ہے۔ تاریخ میں ترقی اور عزت اسی قوم کو ملی جس نے اپنی قومی زبان کو اپنایا۔ گویا قومی زبان دفاع قوم کا نظریاتی تحفظ کرتی ہے۔ ملک میں قومی زبان قوم کی روح کو زندہ رکھنے کی بنیادی اکائی ہے جو قوم کی رگوں کا لسانی لہو گرم رکھنے کے لیے اشد ضروری ہے

۵۵۔ مرزا محمد الیاس، ''قومی زبان کا نفاذ، ترقی کیوں اور کیسے'' ص ۹۱ ماہنامہ آئین مئی ۲۰۰۶ء

اس لیے ملک کی آزادی کی بقاء اور استحکام کے لیے نفاذ قومی زبان اور رسم الخط کا تحفظ قوم کی ذمہ داری قرار پایا ہے۔

دنیا کے ترقی یافتہ ممالک صرف اپنی قومی زبان ہی استعمال کرتے ہیں جبکہ تیسری دنیا کے انتہائی غریب اور لسانی طور پر پس ماندہ ممالک اب بھی کسی ترقی یافتہ زبان کو اپنے ہاں قومی، سرکاری اور تجارتی زبان برقرار رکھنے پر مجبور ہیں۔

دنیا میں ترقی پذیر ممالک کی اکثریت اولیت اپنی قومی زبان کو دیتی ہے لیکن کسی ترقی یافتہ زبان کا سہارا لینے کی متبادل پالیسی پر بھی گامزن ہے کیونکہ قومی زبان کے نفاذ اور استعمال سے قوم کی خداداد صلاحیتیں صد فی صد کام کرتی ہیں بلکہ خوابیدہ قوتیں بھی بیدار ہو جاتی ہیں جو مجموعی طور پر تیز رفتار قومی ترقی کا باعث ہوتی ہیں۔ یوں قدرتی وسائل اور افرادی قوت کی خاطر خواہ بچت ہوتی ہے۔

خطرات/ خدشات:

اس کے بعد مرزا محمد الیاس صاحب انگریزی زبان کے فروغ سے جو خطرات وخدشات ظاہر ہو رہے ہیں ان کی مزید تفصیل بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> ''قومی زبان کو ذریعہ تعلیم بنانے اور سرکاری زبان کے طور پر نافذ کرنے میں مزید تاخیر درج ذیل خطرات کو جنم دے گی۔ لسانی بنیادوں پر انتشار و افتراق پیدا کرنے والے وطن دشمن عناصر کو تقویت ملے گی جس سے قومی سلامتی ویکجہتی کی کوششوں کو نقصان پہنچے گا۔''۵۶

انگریزی زبان کی دشواریوں کے باعث سرکاری ونیم سرکاری اداروں میں ملازمین کی کارکردگی کا معیار مزید انحطاط پذیر ہو گا جس سے انفرادی و اجتماعی عوامی مسائل و مشکلات کے مناسب حل میں مزید تاخیر ہو گی اور قومی سطح پر بے چینی میں اضافہ جاری رہے گا۔

قومی زبان سرکاری سرپرستی سے محرومی کے باعث بتدریج قومی زندگی سے بے دخل ہو جائے گی اور اس کا حشر بھی دنیا کی ان سینکڑوں زبانوں جیسا ہو گا جو اس غلامانہ رویے اور قومی سطح پر مجرمانہ غفلت کے نتیجے میں بے کار وفرسودہ ہو کر نابود ہو گئیں۔

قومی زبان کی پسپائی اور انگریزی کے تسلط وفروغ کے نتیجہ میں پورا قومی نظام اقدار و افکار تباہی سے دو چار ہو جائے گا، قومی تہذیب وثقافت اور قومی شعائر ونشانات قصۂ پارینہ بن جائیں گے۔ مغربی تہذیب وثقافت پروان چڑھے گی اور ہمارا معاشرہ ان تمام تر سماجی خرابیوں کا شکار ہو گا جن سے خود مغرب عاجز آ چکا ہے۔

ابتدائی سطح پر ریاضی اور سائنسی مضامین کی انگریزی میں لازمی تدریس سے مکمل خواندگی کا قومی منصوبہ بری طرح ناکام اور مزید تاخیر کا شکار ہو گا۔

> ''انگریزی زبان طبقاتی نظام کے فروغ کا باعث رہی ہے اس پر مسلسل اصرار سے حکمرانوں اور عوام میں فاصلے، بدگمانیاں اور نفرتیں بڑھتی رہیں گی۔ افراد، قوم کی تخلیقی صلاحیتیں اور توانائیاں مسلسل ضائع

۵۶۔ مرزا محمد الیاس، ''پوسٹ ماڈرن ازم''ص ۱۰۶ ماہنامہ آئین' جون ۲۰۰۵ء

ہوتی رہیں گی اور قوم ذہنی طور پر مسلسل غلام، پژمردہ، احساس کمتری کا شکار اور حقیقی ترقی کے ثمرات سے محروم رہے گی''۔۵۷

مخلوط معاشرت:

کوئی بھی قوم اپنے استحکام کے بعد جب اپنی توانائیاں، وسائل اور قوتیں عیش وعشرت، اخلاقی اقدار کی پامالی اور تخریبی سرگرمیوں کی نذر کرنے لگتی ہے تو اخلاقی انحطاط کا باعث بنتی ہے۔ شہوت اور بدکاری کا فروغ اس قوم کی تباہی میں اہم کردار ادا کرتا ہے اور اس معاشرے کو اندر ہی اندر سے کھوکھلا کر دیتا ہے۔ جنسی بے راہ روی نے انسانوں کو کبھی پنپنے نہیں دیا، جب کہ امریکا میں تو یہ سب سے سوا ہے۔ ان کے ہاں ماں اور بہن کے مقدس رشتے بھی عرصے سے پامال ہو رہے ہیں۔ 10، 12 برس کی نابالغ بچیاں بھی زنا بالرضا یا زنا بالجبر کا شکار ہیں۔

مغربی معاشرے کی مانند امریکا میں بھی صنفِ مخالف کے ساتھ بدکاری کے ساتھ اب مردوں کو اپنے ہی مرد دوستوں اور عورتوں کو اپنی ہی خاتون دوستوں کے ساتھ عصمت دری پر فخر محسوس ہونے لگا ہے۔ ایسے افراد کو Lesbians (لیسبین) اور Gays (گے) کہا جاتا ہے اور یہ لوگ خود کو بلا جھجک ہم جنس پرست کہہ کر متعارف کراتے ہیں۔ امریکی فوج میں بھی جنس حیوانیت اب عروج پر ہے۔ مرد فوجی افسران کی جانب سے ماتحت خاتون فوجیوں پر جنسی حملے اب عام بات ہے۔ فوج میں عورتوں کی بے روک ٹوک بھرتی نے فوج کے اخلاق پر منفی اثر ڈالا ہے۔ اس موضوع پر مستند اعداد وشمار اور کتابیں بھی منظر عام پر آنے لگی ہیں۔

''ننگوں کے عوامی کلب، کا قیام اس بدکاری کی ایک اور بگڑی ہوئی شکل ہے۔ بدکاری و بے حیائی کی اس سے زیادہ تفصیل بیان کرنے سے قلم کو بھی حیا محسوس ہوتی ہے۔ ان بنیادوں پر معاشرہ آخر کب تک متحدہ ومضبوط رہ سکتا ہے؟ ماضی میں بھی 'صدوم' کا شہر اپنی جنسی بدکاریوں اور عملِ قومِ لوط کی وجہ ہی سے تباہ ہو گیا تھا۔ امریکہ کو آج اس لیے سے استثنا کیسے مل سکتا ہے؟

اخلاقی زوال محض جنسیات اور فحاشی ہی کو نہیں کہا جاتا، بلکہ کذب وافترا اور سفاکی و بے رحمی کو بھی اخلاق وکردار کی موت گردانا جاتا ہے جس میں امریکی حکومتیں کبھی شرم محسوس نہیں کرتیں، جیسا کہ عراق پر جنگ مسلط کرنے کے لیے من گھڑت الزامات تراشے گئے، نائن الیون کا قصہ گھڑا گیا اور تاحال اس کی منصفانہ تحقیقات نہیں کروائیں گئیں۔ امریکا نے مروجہ عالمی قوانین وضوابط کو بری طرح پامال کیا، انسانی حقوق کو مجروح کیا، عالمی اداروں خاص طور پر اقوام متحدہ کی ساکھ متاثر کی، گوانتا مو اور ابوغریب جیلوں میں جس بُری طرح انسانیت کی تذلیل کی، یہ سب امریکا کے اخلاقی انحطاط کی واضح علامات ہیں۔

سابق امریکہ صدر جمی کارٹر امریکا کے اخلاقی بحران پر تشویش کا اظہار کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

''امریکا داخلی انتظامی حوالے سے شدید بحران کا شکار ہے ..... 35 زیادہ آمدنی والے ملکوں میں ہونے والے مجموعی قتلوں سے 19 گنا زیادہ قتل امریکا میں ہوتے ہیں۔ گویا سب سے زیادہ قتل امریکہ میں

۵۷۔ مرزا محمد الیاس، ''قومی زبان کا نفاذ، ترقی کیوں اور کیسے'' ص۹۱۲ ماہنامہ آئین مئی ۲۰۰۶ء

ہوتے ہیں''۔۵۸

نسوانی مسائل کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے امریکی اور فرانسیسی لڑکیوں کا تقابل کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

امریکی لڑکیاں فرانسیسی لڑکیوں کے مقابلے میں 7 گنا زیادہ تعداد میں ایک بچے کی ماں ہیں، جب کہ یہ ایک مرتبہ اسقاطِ حمل کرا چکی ہیں۔ 70 گنا زیادہ لڑکیوں سوزاک کا شکار ہو چکی ہیں۔ اس کے علاوہ جرمنی کے ٹین ایجرز کے مقابلے میں''5 گنا زیادہ امریکی ٹین ایجرز ایڈز کا شکار ہوتے ہیں''۔۵۹

ہم جنس پرستی کے بارے میں وہ اپنے خیالات کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''جب امریکیوں سے ہم جنس پرستی کے بارے میں پوچھا جاتا ہے تو ان کی اکثریت اثبات میں جواب دیتی ہے''۔۶۰

طلاق کے بارے میں اپنے معاشرے کی ایک جھلک پیش کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

''اب طلاق خطرناک حد تک عام ہو چکی ہے۔ تمام امریکی بالغوں میں سے 25 فی صد کو کم از کم ایک مرتبہ طلاق ہو چکی ہے''۔۶۱

خارجہ پالیسی میں انتہا پسندانہ رویہ اور دہشت گردی کے خلاف جنگ میں انسانی حقوق کی پامالی پر مذمت کرتے ہوئے وہ امریکہ کی بقا کے لیے مشورہ دیتے ہیں کہ''امریکہ کو ایسا مرکز بننا چاہیے جس کے گرد جمع ہو کر دنیا کے سارے ملک سلامتی اور ماحول کو لاحق خطرات سے لڑیں۔ ہمیں ضرورت مند لوگوں کو انسانی امداد مہیا کرنے میں سب سے آگے ہونا چاہیے۔''۶۲

مگر امریکا کی روش اور حقیقت سب پر عیاں ہے کہ وہ تباہی کی کس راہ پر گامزن ہے۔

خاندانی نظام کی تباہی اور اس کے خطرناک نتائج

کسی بھی قوم کے زوال میں خاندانی نظام کی تباہی کا بھی نمایاں کردار ہوتا ہے۔ امریکا کی تباہی میں ایک دوسرا سبب اس کے خاندانی نظام کی تباہی ہے۔ پورے مغرب کی طرح امریکہ میں خاندان یک جا ومتحد نہیں ہے۔ حالانکہ خاندان کی مضبوطی ہی سے معاشرے اور ملک مضبوط ہوتے ہیں۔ پیسے کی ہوس اور خاندانی ذمے داریوں سے فرار، بے پناہ مصروفیات، شہوت اور جنسیت، نیز ناجائز بچوں کی بھر مارنے ان کے اندر باپ بیٹے، میاں بیوی اور دیگر خونی رشتوں کی تقدیس ختم کر کے رکھ دی ہے۔ خاندان کے خاندان بکھر چکے ہیں اور کوئی کسی کا سہارا بنتا ہوا نظر نہیں آتا۔ جس کو جو کرنا ہے، وہ خود کرے یا حکومت اس کی کفالت کرے۔

---

۵۸ Jimmey Corter:- Our Endangered Values: America's moral crisis P-23

۵۹ Ibid, P-80

۶۰ Jimmey Corter:- Our Endangered Values: America's moral crisis P-30

۶۱ Jimmey Corter:- Our Endangered Values: America's moral crisis P-75

۶۲ Jimmey Corter:- Our Endangered Values: America's moral crisis P-18

ہر شخص سمجھتا ہے کہ وہ کیوں کسی کا بوجھ اٹھائے، خواہ وہ اس کی بیٹی اور ماں ہی کیوں نہ ہو۔ بڑی عمر کے والدین بھی انھی بنیادوں پر ان کے لیے بوجھ بن گئے ہیں اور اس 'بیکار حیثیت' میں امریکی اپنے بزرگوں کے مسائل میں حصہ دار بننے کو تیار نہیں ہے۔ اسی وجہ سے پوری امریکی قوم نے بزرگوں کے لیے 'اولڈ ہاؤسز' کو ایک قطعی ضرورت کے طور پر لازم سمجھ لیا ہے۔ زندگی کو 'ٹھیک ٹھاک' طور پر گزارنے کے لیے ماں اور باپ دونوں کو ملازمت کی ضرورت ہے، اس لیے تھوڑی بہت پیدا ہونے والی جائز و ناجائز اولاد کے لیے بھی ان میں سے کسی کے پاس وقت نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ 'اولڈ ہاؤسز' کے ساتھ 'بے بی ڈے کیئر' مراکز بھی امریکی معاشرے کا ایک لازمی حصہ بن چکے ہیں۔ اصل خاندان کے بدلے اب حکومت ان کا خاندان بننے کی کوشش کر رہی ہے جس کے نتیجے میں حکومت پر غیر ضروری مالی دباؤ کا اضافہ ہو رہا ہے۔ انھی وجوہات کی بنیاد پر امریکا میں خودکشیوں کا رجحان بھی بڑھ رہا ہے۔ محبت، شفقت، سہارے اور دکھ درد میں شرکت کے بغیر آخر کوئی کب تک زندہ رہ سکتا ہے؟ حد سے زیادہ بے رحم معاشرے میں پھر خودکشیاں ہی جنم لے سکتی ہیں۔ یہ تمام عوامل کسی ملک کے استحکام کے خلاف ایک بڑا خطرہ سمجھے جاتے ہیں۔

ایرانی انقلاب نے آج کے دور میں یہ بات ثابت کر دی ہے کہ اسلامی تہذیب میں آج بھی وہ قوت ہے کہ اگر اس کو نافذ کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا جائے تو وہ اپنے آپ کو غالب کر سکتی ہے۔ امام خمینی کے ایرانی انقلاب کی قیادت سے قبل ایران مغربی تہذیب کا علمبردار بنا ہوا کرتا تھا۔ اخلاق باختگی اپنے عروج پر پہنچ چکی تھی اور مسلم عورت کو آلۂ کار کے طور پر مغربی تہذیب کی علامت بنا دیا گیا تھا۔ ایسے میں انھوں نے ایرانی عورت ہی کو اس انقلاب کے لیے تیار کیا اور ان کو خصوصی خطابات کے ذریعے اسلامی تہذیب کا محافظ بنا دیا۔ ان کی کتاب 'عورت کا مقام' امام خمینی کی نظر میں اسلامی تہذیب کے تحفظ کے لیے ایک نمایاں مقام رکھتی ہے۔

مخلوط تعلیم کے زہریلے اثرات

مغربی تہذیب کا ایک بڑا کڑوا پھل 'مخلوط تعلیم' کی صورت میں ہم چکھ رہے ہیں جس کے اثرات پر زہریلے اب خود مغرب میں بھی تحقیقات ہو رہی ہیں۔ انیسویں صدی کے آخر تک یورپ میں بھی لڑکوں، لڑکیوں کی علیحدہ تعلیم کا رواج تھا۔ بیسویں صدی کے آغاز میں مخلوط تعلیم کے شیطانی خیال نے یورپ میں انگڑائی لی اور دجالی نظام کی پشت پناہی میں اسے تمام مغربی ممالک بلکہ تمام مسلم ممالک میں بھی عام کر دیا گیا۔ نوجوان لڑکے لڑکیاں جو اپنی جسمانی نشوونما اور ہارمونز کی وجہ سے اپنے نوجوانی کے دور میں پہلے ہی شدید دباؤ سے گزر رہے ہوتے ہیں انہیں مخلوط تعلیمی ماحول مزید اضطراب میں مبتلا کر دیتا ہے جس کے نتیجے میں کئی لڑکے لڑکیاں اپنی اصل منزل سے بھٹک جاتے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ مخلوط تعلیم کے نقصانات صرف معاشقوں تک ہی محدود نہیں ہوتے بلکہ اس سے نوجوانوں کی نفسیات پر بڑے دوررس زہریلے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ یہاں پر چند نئی تحقیقات پیش کی جاتی ہیں۔

اسلام لڑکوں اور لڑکیوں کی ایک دوسرے سے مختلف نفسیاتی نشوونما (Physicological Development) سے پوری طرح باخبر ہے۔ قرآن میں واضح طور پر بیان کر دیا گیا ہے کہ لڑکے اور لڑکیاں ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں:

﴿وَ لَیۡسَ الذَّکَرُ کَالۡاُنۡثٰی﴾ ۶۳

''اور لڑکا لڑکی کی طرح نہیں ہوتا۔''

نائیجیریا کی بائیو رو یونیورسٹی (Bayero University) کے ماہر نفسیات اور اسلامی محقق سالیسوشیہو (Salisu Shehu) اسلامی سائیکالوجی کی تدوین کے سلسلے میں اپنے ایک مضمون میں سورۂ آل عمران کی اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس آیت میں دونوں جنسوں (Genders) میں جو فرق بیان ہوا ہے وہ بہت وسیع ہے۔ اس سے مراد لڑکوں اور لڑکیوں کے درمیان حیاتیاتی (Biological) فرق بھی ہے اور نفسیاتی فرق بھی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ مردوں اور عورتوں کی نشوونما کے عمل میں بہت سے فرق پائے جاتے ہیں۔ مثلاً بلوغت کے دور میں لڑکیوں میں لڑکوں کے مقابلے میں زیادہ سنجیدگی اور سمجھ بوجھ پائی جاتی ہے۔''۶۴

جس بات کی طرف مسلم ماہر نفسیات شیہو نے اشارہ کیا ہے وہ ایک حقیقت ہے کیونکہ بلوغت کے وقت لڑکوں کے جسم میں مردانہ ہارمون Testosterone عام حالات کے مقابلے میں دس سے بیس گنا زیادہ پیدا ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ شدید نفسیاتی اور جنسی ہیجان کا شکار ہوتے ہیں۔ ایسے ہی مخلوط تعلیم جلتی پر تیل کا کام دیتی ہے۔

''1993ء میں امریکہ کے Seventeen میگزین میں سکول کی لڑکیوں پر کیا گیا ایک سروے شائع ہوا جس کے مطابق 4200 لڑکیوں نے یہ رپورٹ کیا کہ انہیں سکول میں لڑکوں نے سرعام اور کئی بار چھیڑا بلکہ غلیظ جنسی الفاظ بھی استعمال کئے۔''۶۵

اس کے بعد میسا چوسٹ ریاست نے ویلسلے کالج (Wellesley College) کے محققین نے Seventeen میگزین کے سروے کی حقانیت کے جانچنے کے لیے پھر اس سروے کو مخلوط سکولوں کی لڑکیوں پر دہرایا اور ویسے ہی نتائج سامنے آئے۔ ان محققین کے مطابق 40 فیصد لڑکیوں نے بتایا کہ انہیں لڑکوں کی طرف سے روزانہ چھیڑ چھاڑ برداشت کرنا پڑتی ہے اور 29 فیصد نے بتایا کہ انہیں ہفتے میں کم از کم ایک مرتبہ لڑکوں کی چھیڑ خانی کا نشانہ بننا پڑتا ہے۔ اس طرح کے کاموں سے نہ صرف نوجوان لڑکے تعلیم میں دلچسپی لینے کی بجائے لڑکیوں میں دلچسپی لینا شروع کر دیتے ہیں بلکہ لڑکیوں میں بھی وقت کے ساتھ ساتھ فطری شرم وحیا ختم ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ اس پر مزید ستم یہ کہ لڑکیاں آہستہ آہستہ پڑھائی میں دلچسپی کھو بیٹھتی ہیں۔ ایسی ہی بہت سی لڑکیوں کی شکایات اور روداد غم سن کر مغرب کی مشہور خاتون ماہر نفسیات میری پائی فر (Mary Pipher) اپنی کتاب Saving the selves of Reviving Ophedia Adolescent Girls (مطبوعہ نیو یارک، 1994ء میں لکھتی ہے کہ ''وہ روز بروز ایسی لڑکیوں کی تعداد بڑھتی ہوئی دیکھ رہی ہے جو اسکول سے انکاری School Refusers ہیں جو مجھے بتاتی ہیں کہ اسکول میں ان کے ساتھ جو کچھ ہوتا ہے (یعنی مخلوط تعلیم میں لڑکوں کی نظر بازی اور چھیڑ

۶۳۔ آل عمران ۳:۳۶

۶۴ American Journal of Social Sciences Vol.15(4),P:41-69

۶۵ Survey Report Seventeen Magazine America 1993

چھاڑ) وہ اس کا سامنا نہیں کرسکیں۔''[۶۶]

دلچسپ بات یہ ہے کہ میری پائی فرتحریک نسواں کی پرجوش حامی ہیں لیکن پھر بھی وہ مخلوط تعلیم کے نوجوان لڑکیوں پر برے اثرات کے خلاف صدائے احتجاج بلند کررہی ہیں۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ مخلوط تعلیم نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو کس مقام پر پہنچادیتی ہے۔ مسلمان ممالک میں بھی جہاں بھی مخلوط تعلیم یا نوجوان لڑکوں لڑکیوں کا آزادانہ اختلاط رائج ہے وہاں پر نوجوان نسل تباہ ہوئے بغیر نہیں رہتی کیونکہ مردوں اور عورتوں کی نیچر کہیں بھی نہیں بدلتی، چاہے وہ مغرب ہو یا مشرق۔ ایسے ماحول میں اکثر مسلم نوجوان اپنی اصل منزل کو بھول جاتے ہیں۔

دورجدید میں نوجوانوں کے لیے فتنے

دجال جس طرز زندگی کو لوگوں میں عام کرے گا وہ مادر پدر آزاد اور فحاشی وعریانی کی زندگی ہوگی اور یہ سب کچھ ماحول کی طاقت سے کیا جاتا ہے۔ ایرانی سوشیالوجسٹ ڈاکٹر علی شریعتی اپنی کتاب ''On the Sociology of Islam'' (مطبوعہ کیلیفورنیا 1979ء) میں لکھتے ہیں کہ بندے کی شخصیت کا سانچہ تیار کرنے میں پانچ عوامل کارفرماتے ہوتے ہیں (1) ماں (2) باپ (3) سکول (4) معاشرہ (5) پوری دنیا میں مروج کلچر۔[۶۷]

اب دیکھا جاسکتا ہے کہ ان پانچ عوامل میں سے تین کا تعلق گھر سے باہر ہے جہاں پر دجالی تہذیب آسانی سے حاوی ہوتی ہے لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ آج میڈیا یعنی ٹی وی، کیبل، ڈش، انٹرنیٹ وغیرہ کے ذریعے دجالی ایجنٹوں نے گھروں میں گھس کر نوجوان نسل کو تباہ و برباد کرنا شروع کردیا ہے۔ نوجوان جو اپنی زندگی کے نازک موڑ پر اپنی بے پناہ صلاحیتوں کے ساتھ کھڑے اپنی زندگی کا مقصد تلاش کررہے ہوتے ہیں انہیں دجالی ایجنٹ اچک کر لے جاتے ہیں اور ان کا دین و دنیا دونوں تباہ کردیتے ہیں۔ نوجوانوں کو دجالی نظام میں درج ذیل طریقوں سے ان کی اصل منزل سے بھٹکایا جاتا ہے۔

نکاح کو مشکل بنادیا گیا ہے

دجالی دور کا ایک کمال یہ ہے کہ ایک طرف چور کو کہو کہ چوری کرو اور دوسری طرف کوتوال کو کہو کہ چور کو پکڑلو۔ یہی چیز نوجوان کے ساتھ کی جاتی ہے۔ ایک طرف معاشرے میں میڈیا کے زور پر جنسی جذبات کا بھڑکانے کا بھرپور سامان نوجوانوں کے چاروں طرف موجود ہوتا ہے اور دوسری طرف ان کی شادی میں لمبی پڑھائی یا کیریئر کی وجہ سے بے تحاشہ تاخیر کی جاتی ہے۔ ایسے حالات میں نوجوانوں کا وہی حال ہوتا ہے جو چور کا ہوا کہ وہ کسی نہ کسی گناہ میں ملوث ہوجاتے ہیں۔ پسند کی شادیاں، لڑکیوں کے گھروں سے بھاگنے کے واقعات، انٹرنیٹ اور سیل فونوں پر Text Messages کے ذریعے عشق معاشقے وغیرہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی سراسر نافرمانیاں ہیں اور جہنم کی آگ کا یک طرفہ ٹکٹ (One way

---

۶۶ Mary Pipher:-Saving the selves of Reviving Ophedia Adolescent Girls, Published by New York, 1994

۶۷ Dr Ali Shariati " On the Sociology of Islam" Published in California 1979
بحوالہ ڈاکٹر گوہر مشتاق ''دجالی اور مسلم نوجوان'' ص ۱۵ تا ۱۶ ماہنامہ ترجمان القرآن، مئی ۲۰۰۹ء

ticket) یہ سب کچھ شادیوں میں تاخیر کی وجہ سے جنم لیتا ہے کیونکہ قرآنی و نبوی تعلیمات نے نکاح کو نوجوانوں کے لیے عصمت اور عزت کا محافظ قرار دیا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے مطابق پتہ چلتا ہے کہ دجال کا قائم کیا ہو نظام جس طرز زندگی کا علمبردار ہوگا اس کا منتہیٰ خاندانی نظام کی تباہی ،شادی کی ضرورت کا خاتمہ اور جنسی بے راہ روی ہے۔ اس کی سب سے زیادہ زد بھی نوجوانوں پر ہی پڑتی ہے کیونکہ نوجوانوں کے لیے اپنے جذبات کنٹرول کرنا زیادہ مشکل ہوتا ہے۔

اسلامی تعلیمات کے مطابق شادی کے مقاصد درج ذیل ہیں :۔

1)۔نسل انسانی کی حفاظت

2)۔نسب کی حفاظت

3)۔روحانی اور نفسیاتی سکون

4)۔خاندان کی تشکیل اور اسلام کے مطابق بچوں کی تربیت کرنے کے لیے میاں بیوی کا باہم تعاون ۔

5)۔معاشرے کو بے حیائی سے محفوظ رکھنا۔

چونکہ موجودہ دور کی یک چشمی اور ہم جنس پرست تہذیب مردوں اور عورتوں کے درمیان فرق ہی کو مٹا دینا چاہتی ہے اس لیے تحریک نسواں کے علمبردار اور شادی کی بہت مبہم سی تعریف (Definition) پیش کرتے ہیں ۔ ان کے لیے شادی میں جتنی تاخیر ہو بہتر ہے تاکہ نوجوانوں کے گناہ کرنے کے امکانات بڑھ سکیں اور اگر شادی کی بھی جائے تو اس کا مقصد صرف جنسی خواہشات کی تسکین ہوتا ہے۔ رہی بچوں کی تربیت تو وہ دجالی نظام کے ادارے مثلاً ڈے کیئر ،Preاسکول ،مخلوط تعلیم کے ادارے ، ٹی وی کارٹون و دیگر پروگرام وغیرہ بڑی خوبی کے ساتھ انجام دیتے ہیں۔ اصل مقصد تو بچوں اور نوجوانوں کو ماں کی محبت سے دور رکھنا ہوتا ہے۔ دجالی نظام ماں کی محبت سے سخت خائف ہوتا ہے کیونکہ یہ ماں کی محبت ہی بچوں اور نوجوان لڑکوں لڑکیوں کی برائی پر ٹوکتی ہے اور گناہ کے راستے میں رکاوٹ بنتی ہے۔ اسی لیے دجالی نظام میں ماؤں اور بچوں کو علیحدہ علیحدہ مصروف کر دیا جاتا ہے نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری۔

حقیقت یہ ہے کہ موجودہ دور کے مذہب بیزار روشن خیال حضرات اس بات کی کوئی تشریح بیان نہیں کر سکتے کہ آخر کیوں تقریباً ہر معاشرے میں شادی ایک ایسی رسم ہوتی ہے جس میں مذہبی رنگ غالب ہوتا ہے۔ برطانیہ کے ماہر علم الانسانیت (Anthropologist) برونز لامیلی نوسکی (Braonislaw Malinowski) اپنی کتاب ''Marriage Past and present (مطبوعہ بوسٹن 1956ء) میں انسانی تہذیبوں کا مطالعہ پیش کر کے لکھتے ہیں:

> ''ہر معاشرے میں شادی کا اصل مقصد مشق و محبت نہیں بلکہ والدین بننا اور اس سے بھی بڑھ کر ممتا پن ہوتا ہے ۔مزید برآں ،میلی نوسکی کے مطابق انسانی تہذیب جس کا اس نے مطالعہ کیا اس معاشرے میں مرد کی یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ اپنی بیوی کے نان نفقہ کی ذمہ داری اٹھائے۔ آج مسلم معاشروں میں اگر والدین اپنے لڑکوں کے لیے پیسہ کمانے والی بہو تلاش کرتے یا آج کے بعض نوجوان کسی پیسہ کمانے والی لڑکی (Working Lady) کو اپنی شریک سفر کے لیے تلاش کرتے ہیں تو یہ ایسی چیز ہے جو

ہزاروں سال سے پائی جانے والی انسانی تہذیبوں کے بالکل خلاف ہے اور آج کے دجالی نظام ہی کی مرہون منت ہے۔''[۶۸]

مغربی تہذیب وثقافت کے اثرات

ہمیں اپنے اردگرد میڈیا کی ''برکات'' کی وجہ سے برائی کی کثرت سے کبھی دھوکہ نہیں کھانا چاہیے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿قُلْ لَّا یَسْتَوِی الْخَبِیْثُ وَ الطَّیِّبُ وَ لَوْ اَعْجَبَکَ کَثْرَةُ الْخَبِیْثِ﴾[۶۹]

''اے پیغمبرؐ ان سے کہہ دو کہ پاک اور ناپاک بہرحال یکساں نہیں ہیں خواہ ناپاک کی بہتات تمہیں کتنا ہی فریفتہ کرنے والی ہو۔''

اسلام میں معبود صرف ایک ہے۔ **لاالــہ الا اللــہ** جس کی تمام صفات تنہا اس کی ذات کا مستقل خاصہ ہیں وہ اہل ایمان کے بارے میں فرماتا ہے:۔

﴿اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰہِ﴾[۷۰]

''وہ اللہ سے محبت کرنے میں شدت پسند ہوتے ہیں۔''

''ایسی محبت کہ اگر اس کی خوشی کے لیے جان و مال اولاد یا وطن بھی قربان کرنا پڑے تو ہنسی خوشی پیش کردیتے ہیں۔''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ ''جو شخص اللہ کی خاطر دوستی رکھے ،اللہ ہی کی خاطر دشمنی رکھے ، اللہ ہی کی خاطر دے اور اللہ ہی کی خاطر روک رکھے اس نے اپنا ایمان کامل کرلیا۔''[۷۱]

کیا اس کا یہ تقاضا نہیں کہ ہم مغرب ،کفار اور اہل کتاب کی خرافات سے مکمل قطع تعلق کردیں ، کیا اللہ کے لیے ناراضی کا یہ تقاضا نہیں کہ ہم ان اخبارات و جرائد اور ان لوگوں سے ناطہ توڑ لیں جو ہمیں ہمارے اللہ سے دور کرنا سکھاتے ہیں۔ہم تو وہ امت ہیں جنہیں یہ دعا سکھائی گئی ہے اور ہر نماز کی رکعت میں ہم اس دعا کو اپنی زبان سے ادا کرتے ہیں:۔

﴿اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ○ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ ○ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَ لَا الضَّآلِّیْنَ﴾[۷۲]

''ہم کو سیدھے رستے پر چلا ،ان لوگوں کے رستے پر جن پر تو نے انعام کیا نہ کہ ان کے جن پر تیرا غضب ہوا

---

۶۸ Braonislaw Malinowski" Marriage past and present Published in Boston 1956
بحوالہ ڈاکٹر گوہر مشتاق ''دجالی اور مسلم نوجوان'' ماہنامہ بتول ،ص ۱۳ مئی ۲۰۰۹ء

۶۹۔ المائدہ۵:۱۰۰ ۷۰۔ البقرہ۲:۱۶۵

۷۱۔ السنن لأبی داؤد، کتاب السنة، باب الدلیل علی زیادة ایمان ونقصانه،(ح ٤٦٨١)

۷۲۔ الفاتحه ۱:۵،۶

اور نہ گمراہوں کے رستے پر''۔

ہمیں اپنی تہذیب کو بالادست کرنے اور حیا کے چلن کو عام کرنے کی جدوجہد تیز کرنی چاہیے۔

غیر اخلاقی تعلقات کے آگے بند باندھنے کا عزم:

''خواتین وحضرات! آپ آج یہاں پاکیزگی کے نظریے کو پروان چڑھانے کی تقریب میں جمع ہوئے ہیں۔''

یہ وہ الفاظ ہیں جو پادری نے ایک تقریب کا آغاز کرتے ہوئے انتہائی متانت سے بلند آواز میں کہے۔ پھر اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا''آپ فلموں میں ہمیشہ لوگوں وک بے راہ روی میں مشغول دیکھتے ہیں۔لیکن اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا منصوبہ انسان کے لیے اس سے کہیں بہتر ہے۔''

یہ تقریب امریکہ کی ریاست اوہایو کے ایک چھوٹے سے قصبے وان ورٹ میں 14 نومبر 2006ء کو کنٹری کلب میں منعقد ہوئی جہاں لگ بھگ چالیس جوڑے جمع تھے۔لیکن یہ جوڑے بوائے فرینڈ زاور گرل فرینڈ ز کے نہیں تھے بلکہ ہر جوڑ ایک باپ اور اس کی سکول جانے کی عمر کی بیٹی پر مشتمل تھا۔ کچھ بچیاں صرف ..... سال کی عمر کی تھیں۔ ان سب نے تقریب رقص کے شایان شان ..... برق لباس اور اونچی ایڑھ کے جوتے پہن رکھے تھے۔ جب پادری کی بات مکمل ہوئی تو تمام باپوں اور بیٹیوں نے عہد پر دستخط کیے کہ''وہ شادی سے پہلے بچی کی پاکدامنی کو محفوظ کرنے کے لیے کوشاں رہیں گے۔''ہر بیٹی نے عہد کیا کہ''میں پاک ..... اور باعصمت رہوں گی یہاں تک کہ ایک دن میں اپنے آپ کو تحفے کے طور پر اپنے شوہر کے سپرد کردوں گی۔''اس کے بعد باپ اپنی بیٹی کو ایک انگوٹھی دیتا ہے جسے وہ اپنی چوتھی انگلی میں پہن لیتی ہے یہاں تک کہ ایک دن اس کا شوہر اس کی انگوٹھی کی جگہ اسے شادی کی انگوٹھی پہنا دے گا۔

اس رسم کے بعد لوگ گلے ملتے ہیں اور دعا مانگی جاتی ہے پھر جب باپ اور بیٹیاں رقص کرنے لگتے ہیں اور باپ اور بیٹی کے پیار کے اظہار کے لیے موسیقی پہ دھن بجانے لگتی ہے:

''میں نے ابھی تمہیں بتایا ہے کہ مجھے تم سے بہت محبت ہے۔''

''پاکیزہ رقص''ایک جیدترین طریقہ ہے جس کے ذریعے عیسائی اپنے بچوں کی عصمت کی بھی حفاظت کررہے ہیں اور انہیں جنسی طور پر منتقل ہونے والی بیماریوں سے بھی بچانے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ اس کا آغاز سات سال پہلے کولور اڈوسپرنگز کے شہر سے ہوا۔ اب وہاں یہ تقریب فائیو سٹار ہوٹل میں منائی جاتی ہے۔ اس ماہ ایسی ہی ایک تقریب میں 200 سے زائد لوگوں نے شرکت کی۔

اب یہ تصور تمام ملک میں پھیل رہا ہے۔ وان ورٹ قصبے میں پہلی تقریب اس وقت منعقد ہوئی جبکہ مذکورہ پادری اور اس کی بیوی نے یہاں رہائش اختیار کی وہ اس سے پہلے دوسرے شہروں میں ایسی تقریبات منعقد کرچکے تھے۔

وان ورٹ کی رقص کی اس تقریب کو اب دوسرا سال ہے۔ اس سے دو مزید قریبی قصبوں کو بھی تحریک می ہے اور وہ بھی ایسے ہی پروگرام شروع کرچکے ہیں۔کولوراڈوسپرنگز میں لیزا ولسن نامی خاتون نے یہ پروگرام شروع کیا تھا۔ اس کا بیان ہے کہ اس نے اس پروگرام کے بارے میں معلومات کا مکمل پیکیج امریکہ کی 21 ریاستوں میں بھیجا ہے۔ اس کے علاوہ چار

ملکوں نیوزی لینڈ، سویڈن، فرانس اور کینیڈا میں بھی یہ پیکیج متعارف کرایا ہے۔ اس دوران کچھ تجارتی کمپنیوں نے یہ پروگرام سپانسر بھی کئے ہیں جن میں وان ورٹ قصبے میں مشہور سٹور وال مارٹ اور میکڈانلڈ قابل ذکر ہیں۔

یہ پیکیج تو لڑکیوں سے متعلق ہے۔ لیکن لڑکوں کا کیا ہوگا؟ وہ بھی تو شادی سے پہلے جنسی تعلقات کی بدی کے کم سے کم پچاس فیصد ذمہ دار ہیں۔ کولو راڈو سپرنگز میں لیزا ولسن اور اس کے شوہر نے انفرادی طور پر اپنے بارہ سالہ بیٹے کی ''مردانگی'' کی تقریب منائی۔ اس میں اسے ایک نقشین تلوار دی گئی اور اس بات کی تلقین کی گئی کہ وہ ایک با وقار اور سنجیدہ نوجوان بنے گا جس میں پاکدامن رہنا بھی شامل ہے۔ وان ورٹ کے قصبے میں بچیوں کے رقص ''رقص عفت'' پروگراموں میں شامل ہونے والے اس بات پر متفق ہیں کہ ایسے پروگرام لڑکوں کے لیے بھی ضروری ہیں۔ اگر یہ بچیوں کے لیے موثر ثابت ہوتے ہیں تو لڑکوں کے لیے بھی ہوں گے ورنہ بچیوں کی پاکدامنی بھی ہمیشہ خطرے میں رہے گی۔[۷۳]

ویلنٹائن ڈے، بت پرست رومیوں کا تہوار:

آج مسلمانوں میں جو غیر اسلامی رسومات پھیل رہی ہیں ان میں سب سے قوی محرک مغرب کی ذہنی غلامی ہے جو مسلمانوں کے دل و دماغ پر مسلط ہے۔ البرٹ میمی (Albert Memmi) نے تیونس کا ایک یہودی مصنف ہے اپنی کتاب The Colonizer&the colonized میں انتہائی گہرائی میں نفسیاتی عوامل کا ذکر کیا ہے جو ایک مغلوب قوم میں احساس کمتری کی وجہ سے اثر انداز ہوتے ہیں۔ وہ مغلوب قوم کے باشندوں کے بارے میں لکھتا ہے کہ ''چونکہ وہ غالب قوم سے ذہنی طور پر مرعوب ہوتے ہیں اور اس پر رشک بھی کرتے ہیں اس لیے انہیں اپنے آقاؤں کی نقل کرنے میں ذہنی تسکین ہوتی ہے کیونکہ انہیں اپنے آقاؤں میں قوت اور اقتدار نظر آ رہا ہوتا ہے۔''[۷۴] آج پاکستان کے مسلمان نوجوانوں میں جو غیر اسلامی (بلکہ بت پرستانہ) رسومات پائی جاتی ہیں ان میں سے ایک 14 فروری کو ویلنٹائن ڈے (Valentine Day) منانا ہے۔ یہ بیماری پاکستان میں پچھلے سالوں میں طاعون اور ہیضے کی وبا تیزی سے پھیلی ہوئی ہے۔ ٹی وی ڈراموں، میوزک شوز، ڈش، انٹرنیٹ، گپ شپ (Cahtting) اور سیل فونوں کی بدولت ویلنٹائن ڈے کی بیماری نے پاکستان کے بڑے شہروں سے نکل کر قصبوں اور دیہاتوں تک کے نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

ویلنٹائن ڈے کی تاریخ:

عیسائیوں کے اکثر تہواروں کی طرح ویلنٹائن ڈے کی جڑیں بھی بت پرست رومیوں تک پہنچتی ہیں۔ قدیم روما میں نوجوان لڑکوں لڑکیوں کا ت ایک تہوار منایا جاتا تھا۔ اس تہوار میں کنواری لڑکیاں محبت کے خطوط لکھ کر ایک بہت بڑے گلدان میں ڈال دیتی تھیں۔ اس کے بعد محبت کی اس لاٹری میں سے روم کے نوجوان لڑکے ان لڑکیوں کا انتخاب کرتے جن کے نام کا خط لاٹری میں ان کے ہاتھ آیا ہوتا۔ پھر وہ نوجوان لڑکے لڑکیاں کورٹ شپ (Courtship) کرتے یعنی شادی سے پہلے آپس میں ہم آہنگی (Understanding) پیدا کرنے کے لیے ملاقاتیں کرتے۔ Webster's Family

---

۷۳۔ ''Purity balls'' ترجمہ محمد غزنوی، اکانومسٹ ۱۸، ۱۸ تا ۲۴، نومبر ۲۰۰۶ء (بحوالہ ماہنامہ بتول فروری ۲۰۰۶، ص ۶۷، ۶۸

۷۴ Albert Memmi "The Colonizer and the Colonised : 1991-U.S.A

Encyclopedia (مطبوعہ امریکہ 1987ء) کے مطابق عیسائیت کے مذہبی رہنماؤں نے اس مشہور بت پرست رسم کو ختم کرنے کی بجائے اسے سینٹ ویلنٹائن ڈے کے تہوار میں بدل دیا۔ علاوہ ازیں انسائیکلو پیڈیا کے مقالہ نگار کے مطابق سینٹ ویلنٹائن (جس کی وفات 269ء عیسوی میں ہوئی) کی زندگی کا اس تہوار یا جو کچھ اس تہوار میں کیا جاتا ہے اس سے کوئی تعلق نہیں۔۷۴

انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا کے مصنف نے اس کا تعارف صرف دو سطروں میں لکھا ہے اور وہ بھی مندرجہ ذیل الفاظ ہیں:۔

''سینٹ ویلنٹائن ڈے کو آج کل جس طرح عاشقوں کا تہوار Lover's Festival کے طور پر منایا جاتا ہے یا ویلنٹائن ڈے کارڈ بھیجنے کی جو نئی روایت چل نکلی ہے اس کا سینٹ سے کوئی تعلق نہیں بلکہ اس کا تعلق یا تو رومیوں کے دیوتا ''لوپر کالیا'' کے حوالے سے 15 فروری کو منائے جانے والے تہوار بارآوری.....یا پرندوں کے ایام اختلاط (Mating Season) سے ہے۔'۷۵

ایک اور انسائیکلو پیڈیا ''بک آف نالج'' میں لکھا ہے۔

14 فروری محبوبوں کے لیے خاص دن ہے، ایک وقت وہ تھا کہ اسے سال کا وہ وقت خیال کیا جاتا تھا جب پرندے صنفی مواصلات کا آغاز کرتے ہیں اور محبت کا دیوتا نوجوان مردوں اور عورتوں کے دلو پر تیر برسا کر انہیں چھلنی کرتا ہے بعض لوگ خیال کرتے تھے کہ ان کے مستقبل کی خوشیاں ویلنٹائن تہوار سے وابستہ ہیں۔

ویلنٹائن ڈے کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کا آغاز ایک رومی دیوتا لوپر کالیا (Luper Calia) کی صورت میں ہوا۔ قدیم رومی مرد اس تہوار کے موقع پر اپنی دوست لڑکیوں کے نام اپنی قمیصوں کی آستینوں پر لگا کر چلتے تھے۔ بعض اوقات یہ جوڑے تحائف کا تبادلہ بھی کرتے تھے۔ بعد میں اس تہوار کو سینٹ ویلنٹائن کے نام سے منایا جانے لگا تو اس کی بعض روایات کو برقرار رکھا گیا۔ اسے ہر اس فرد کے لیے اہم سمجھا جانے لگا جو رفیق یا رفیقہ حیات کی تلاش میں تھا۔ سترھویں صدی کی ایک ایسی ہی پر امید دوشیزہ کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ اس نے رات کو سونے سے پہلے اپنے تکیے کے ساتھ پانچ پتے ٹانکے، اس کا خیال تھا کہ ایسا کرنے سے وہ خواب میں اپنے ہونے والے خاوند کو دیکھ سکے گی۔ بعد ازاں لوگوں نے تحائف کی جگہ کارڈز کا سلسلہ شروع کر دیا۔۷۶

''سترھویں صدی عیسوی میں روم میں ویلنٹائن نامی ایک پادری تھا جو ایک راہبہ (NUN) کے عشق میں مبتلا ہوگیا۔ عیسائیوں میں راہبوں اور راہبات کے لیے نکاح کرنا ممنوع تھا۔ سینٹ (پادری) ویلنٹائن نے اپنی معشوقہ راہبہ کو تشفی دینے کے لیے اسے بتایا کہ 14 فروری کا دن ایسا ہے کہ اس روز کوئی راہب یا راہبہ ملاپ کرے تو کوئی گناہ نہیں سمجھا جاتا۔ راہبہ نے اس پر یقین کرلیا اور دونوں جو

۷۴۔ ڈاکٹر گوہر مشتاق: ''ویلنٹائن ڈے''، چمن بتول، فروری ۲۰۰۶ء

۷۵۔ ام عبد منیب ''ویلنٹائن ڈے''، ص ۵ مشربہ علم وحکمت لاہور، ۱۴ فروری ۲۰۰۳ء

۷۶۔ عطاء اللہ صدیقی، ویلنٹائن ڈے منانا کیوں ضروری ہے؟ ماہنامہ محدث بحوالہ: ام عبد منیب ''ویلنٹائن ڈے'' ص ۵

عشق میں یہ سب کر گزرے لیکن راز فاش ہوگیا۔کلیسا کی روایات کی اتنی سنگین خلاف ورزی کرنے کے جرم میں ان دونوں کو قتل کر دیا گیا۔ بعد میں کچھ منچلوں نے ویلنٹائن صاحب کو شہید محبت کے درجہ پر فائز کرتے ہوئے ان کی یاد میں یہ دن منانا شروع کر دیا۔ یوں اس کا نام ویلنٹائن ڈے مشہور ہوگیا۔ ۷۷

ویلنٹائن ڈے جنسی آوارگی کا دن

ویلنٹائن ڈے کی بنیاد پرندوں Mating Season پر ہو۔ یا رومی دیوتا لوپر کالیا کے تہوار بارآوری سے ۔مردوں کے محبوبہ کے نام کوٹ پر سجانے کا مشغلہ ہو یا کنواروں کے رفیقہ حیات تلاش کرنا ۔ یا سینٹ (پادری) ویلنٹائن کے نن (راہبہ) کے ساتھ معاشقے،بدکرداری اور قتل کی داستان ۔ ان سب کا محاصل Lover's Festival(عاشقوں کے تہوار) میں سمٹ آیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ مغرب میں بھی سنجیدہ ،باوقار اور مہذب لوگوں نے اسے کبھی قبول نہیں کیا ۔محترم عطاء اللہ صدیقی لکھتے ہیں:

''چرچ نے اس کی خرافات کی ہمیشہ مذمت کی اور اسے جنسی بے راہ روی کی تبلیغ پر ..... کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ اس سال بھی پادریوں نے اس دن کی مذمت میں سخت بیانات دیئے۔ بنکاکا میں تو ایک عیسائی پادری نے ایک ایسی دکان کو نذر آتش کر دیا جس پر ویلنٹائن کارڈز فروخت ہو رہے تھے۔ ۷۸

ویلنٹائن ڈے کو اردو میں متعارف کروانے والے ''یوم محبت'' لکھتے ہیں ۔لیکن کون سی محبت اور کس سے محبت؟ والدین سے محبت یا بہن بھائیوں سے محبت یا خاندان سے ۔آیئے اس کا مفہوم اس قوم کے طرز عمل سے سمجھتے ہیں ۔

وہاں ان سب رشتوں سے محبت ایک قصہ پارینہ بن چکا ہے۔ وہاں بوڑھے والدین تنہائی کے عذاب میں اولاد کو ایک نظر دیکھنے کی تمنا لیے سسک سسک کر مر جاتے ہیں۔ بچے پدیا رکر کے ماں باپ انہیں حالات کے رحم وکرم پر چھوڑ کر خود عیش وعشرت میں غرق رہتے ہیں۔ بہن بھائی کا مقدس رشتہ ختم ہو چکا ہے۔ قانون کی نظر میں میاں بیوی لیکن معاشرے کی نظر میں اور خود اپنے خیال میں ایسے پارٹنر ہیں جو ایک گھر میں سرائے کی طرح آ کر داخل ہوتے اور نکل جاتے ہیں۔ میاں بیوی کے تعلقات جس سے جی چاہے قائم کرنے میں مکمل آزاد ہوتے ہیں۔

مغربی آوارگیوں کے اسیر لوگ پاکستان میں اسی کلچر کو عام کرنا چاہتے ہیں۔ اخبارات و جرائد کے اکثر ذمہ داران صرف اسی مقصد کے لیے صحافت کا لبادہ اوڑھے اپنا کام کر رہے ہیں۔

روزنامہ جنگ 9فروری 2003ء کا سنڈے میگزین میرے سامنے ہے۔ اس کے ہر صفحے کے کونے پر .....ایک خوبصورت چوکھٹے میں ..... تصویری اشارات کے ساتھ .....ایک ایک ذومعنی جملہ .....ویلنٹائن ڈے کی مناسبت سے دیا ہے۔ اس جملے کے نیچے'' جنگ Close Up'' لکھ کر اپنی مغربیت پسندی اور جنسی آوارگی کا فخریہ اظہار بھی کیا ہے۔

۷۷۔ عطاء اللہ صدیقی ،ویلنٹائن ڈے منانا کیوں ضروری ہے؟ ماہنامہ محدث بحوالہ ام عبد منیب ویلنٹائن ڈے ص ۵ مشربہ علم وحکمت لاہور ۱۴فروری ۲۰۰۳ء

۷۸۔ ایضاً

ذرا ان جملوں پر آپ بھی غور کیجئے !

☆اس ویلنٹائن ڈے پر .....اب کپڑوں کا بھی کچھ سوچ ہی لو؟

☆اس ویلنٹائن ڈے پر .....چنا کسی کو اپنے لیے؟

☆اس ویلنٹائن ڈے پر.....ڈنر کے لیے ٹیبل بک کرائی یا نہیں؟

☆اس ویلنٹائن ڈے پر .....رکھو ایک الارم کلاک تا کہ نہ ہو لیٹ

☆اس ویلنٹائن ڈے پر.....خریدو ایک کارڈ جو کہہ دے ہر بات

☆اس ویلنٹائن ڈے پر.....ورلڈ کپ تو آتے جاتے رہیں گے پیار بار بار نہیں ہوتا۔

☆اس ویلنٹائن ڈے پر .....بسنت چھوڑو دل کی ڈور کھینچو

☆اس ویلنٹائن ڈے پر.....فریش آئیڈیا، سمندر کنارے ایک شام

☆اس ویلنٹائن ڈے پر ..... کرکٹ میچ دیکھتے رہے تو ہو چکا دل کا میچ۔۷۹

مذکورہ اخبار نے جو اشارات دیئے ہیں ان سے یہ بخوبی عیاں ہوتا ہے کہ وہ اس دن کو منانے کے لیے ہر قسم کے گناہ، آوارگی اور اسراف کو پاکستانی معاشرے میں دیکھنا چاہتا ہے۔ چنانچہ پی ٹی وی نے اس کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے ویلنٹائن ڈے کے حوالے سے ایک شرمناک ڈرامہ بھی نشر کیا۔ جس میں بھائی خود اپنی بہن کو اپنے دوست سے ویلنٹائن ڈے کے موقع پر رنگ رلیاں منانے کے لیے مختلف تدبیریں کرتا اور بالآخر کامیاب رہتا ہے، اسی سال 14 فروری 2003ء کو ایک معروف کلب میں ایک تقریب ہوئی اس کا آنکھوں دیکھا حال ایک خاتون صحافی نے انگریزی اخبار کو بھیجا۔ وہ کہتی ہیں :

> ''مجھے اپنی فیملی اور دوستوں کے ہمراہ ایک پوش کلب میں ویلنٹائن ڈے کی تقریبات میں شرکت کا اتفاق ہوا تھا۔ وہاں نظم وضبط قائم رکھنے کا کوئی بندوبست نہ تھا جو تھوڑا بہت انتظام تھا وہ ہلڑ بازی مچانے والے ہجوم پر قابو پانے کے لیے بہت کم تھا۔ نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کے ناچنے کے لیے اسٹیج تیار کیا گیا تھا۔ جہاں لڑکیوں کو چھیڑا جا رہا تھا اور ان کی توہین کی جا رہی تھی اور وہ سکتے کے عالم میں آنسو بہا رہی تھیں لیکن اسٹیج پر ڈٹی ہوئی تھیں مزید ظلم یہ ہوا کہ ایسے بے قابو ہجوم کی موجودگی میں تمام بتیاں گل کر دی گئیں اور چاروں طرف سخت تاریکی چھا گئی۔ ایسے میں موسیقی بھی اونچے سروں سے ہونے لگی کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ وہاں پر جو خرافات ہو رہی تھیں ان پر پردہ پڑ گیا۔''۸۰

اگر اخبارات و ٹی وی میں اس کی کوریج کا یہی انداز ہ رہا تو جلد ہی یہ معاشرے پر بری طرح سوار ہو جائے گا۔ اس بے حیا پادری نے اس نوجوان نسل کو مانوس کرنے کی ایسی سازش کی ہے کہ بسنت کو آج سے بیس پچیس سال قبل ذلیل لوگوں کا کھیل سمجھا جاتا تھا۔ لاہور اور قصور کے علاوہ کسی جگہ اس کا نام ونشان نہیں تھا اور اب صدر، وزراء اور سفراء بگھیوں میں بیٹھ کر اربوں روپیہ اس تہوار کی خرافات میں اڑانے کی روایت میں چل پڑے ہیں۔

۷۹۔ عطاء اللہ صدیقی، ویلنٹائن ڈے منانا کیوں ضروری ہے؟ ماہنامہ محدث بحوالہ ام عبد منیب ویلنٹائن ڈے ص ۵ مشربہ علم وحکمت لاہور ۱۴فروری ۲۰۰۳ء

۸۰۔ ایم ایم حسن ''آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا'' نوائے وقت ۷ مارچ ۲۰۰۳ء

محبت کے نام پھول اور کارڈز

سرخ گلاب یورپ میں محبت کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ یورپ میں جب کوئی نوجوان کسی نوجوان لڑکی کو التفات کا پیغام دینا چاہتا ہے تو وہ اسے سرخ گلاب بھجوا دیتا ہے۔ اگر وہ لڑکی گلاب قبول کرلے تو ان کے درمیان ''محبت'' کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے۔ یورپ میں گلاب ایک ٹھیک ٹھاک کاروبار ہے۔ صرف برطانیہ میں پھولوں کی بارہ لاکھ دکانیں ہیں، ان دکانوں پر کینیا، ہالینڈ اور اسرائیل سے پھول منگوا کر رکھے جاتے ہیں۔ پھول برآمد کرنے والے ممالک میں ہالینڈ پہلے، اسرائیل دوسرے اور کینیا تیسرے نمبر پر ہے۔ ہالینڈ ہر سال 12ارب ڈالر، اسرائیل 9ارب ڈالر اور کینیا 6ارب ڈالر کے پھول برآمد کرتے ہیں۔ دنیا میں جب پھول تجارت بنے تو بڑی بڑی ملٹی نیشنل کمپنیاں اس کاروبار میں آ گئیں، بیسویں صدی کے شروع میں ان ملٹی نیشنل کمپنیوں نے بھولوں کے لیے اشتہاری مہم شروع کردی۔ یورپ میں اخبارات، ریڈیو، ذرائع ابلاغ، سائن بورڈ اور پوسٹروں کے ذریعے پھولوں کو کلچر کی شکل دی گئی۔ ویلنٹائن ڈے اس قسم کی تجارت کے لیے بڑا سنہرا دن تھا چنانچہ یورپ میں سرخ گلاب، کارڈ اور ویلنٹائن ڈے ایک تہوار کی شکل اختیار کرگیا۔ 2002ء کے ویلنٹائن ڈے پر صرف برطانیہمیں 23ملین پاؤنڈ کے کارڈزاور 22ملین پونڈز کے سرخ گلاب فروخت کئے گئے۔ آپ اس سے اندازہ کرسکتے ہیں کہ یہ کس قدر منافع بخش کاروبار ہے۔

پاکستان میں 1995ء سے پہلے ویلنٹائن ڈے کا کوئی نام ونشان نہیں تھا، اگر کہیں منایا جاتا تھا تو وہ صرف کراچی، لاہور اور اسلام آباد کے فائیو سٹار ہوٹل تھے۔ لیکن پھر اچانک پوررے ملک کے نوجوان لڑکے اور لڑکیاں اس بخار کا شکار ہوگئے۔ آج صرف چند برس بعد صورت حال یہ ہے کہ ویلنٹائن ڈے باقاعدہ تہوار کی شکل اختیار کرگیا ہے۔ ایسا کیوں ہے؟اس کی وجوہ دریافت کرنے کے لیے ہمیں 90ء کی دہائی کا جائزہ لینا ہوگا۔ نوے کی دہائی میں دنیا میں تین بڑے واقعات پیش آئے۔

اول سوویت یونین ٹوٹ گیا، جس کے بعد امریکہ کا سب سے بڑا حریف ختم ہوگیا وار دنیا پر اپنا رعب جمانے کے لیے کسی دوسرے دشمن کی تلاش میں سرگرداں ہوگیا۔ دوم امریکہ نے خلیج میں جنگ چھیڑ دی، اس جنگ میں مسلم دنیا کے تمام حکمران تو امریکہ کے ساتھ تھے لیکن 61اسلام ممالک کے عوام امریکہ کے خلاف جلوس نکال رہے تھے، اور سوم افغانستان میں طالبان کی شکل میں کئی سو سال بعد پہلی اسلامی حکومت ظہور پذیر ہوئی، طالبان نے مغرب کی مدد کے بغیر حکومت اور ملک چلا کر دنیا پر ثابت کردیا ''امریکہ خدا نہیں۔''

یہ تینوں واقعات امریکہ کی پالیسی سازوں کے لیے بڑے اہم تھے۔ امریکہ کو روسیوں کے بعد کوئی دشمن درکار تھا ایک ایسا دشمن جس کا ڈرا وا دے کر وہ اپنی ریاستوں کو متحد رکھ سکے، اسلحہ بیچ سکے اور اپنی معیشت برقرار رکھ سکے۔ سوویت یونین کے بعد اسے اسلامی دنیا میں اتنی سکت نظر آئی کہ وہ اسے اپنا دشمن قرار دے سکے۔ امریکہ نے اسلام اور اسلام پسندوں کو اپنا دشمن قرار دے دیا۔ خلیج کی جنگ کے دوران امریکہ کومحسوس ہوا کہ وہ مسلم ممالک کے حکمرانوں کوتو دبالے گا لیکن مسلم عوام اس کے قابونہیں آئیں گے لہٰذا اس نے سوچا مسلم عوام میں ایک ایسا طبقہ پیدا کرنا ضروری ہے جو مغرب کا دلدادہ ہو،

جب ایسا طبقہ پیدا ہوجائے تو آہستہ آہستہ اس کا دائرہ وسیع کردیا جائے یہاں تک کہ اسلامی دنیا کی نوے فیصد آبادی اس ثقافتی دائرے میں سمٹ آئے اور امریکہ نے محسوس کیا کہ اگر طالبان کی حکومت کامیابی سے چلتی رہی تو دنیا کے 180 ممالک پر امریکہ کی ہوا کھڑ جاےء گی ۔ امریکہ کی جھوٹی خدائی خطرے کا شکار ہوجائے گی چنانچہ امریکہ نے فوری طور پر تین بڑے اقدام کئے۔ اس نے بڑی آہستگی سے میڈیا کے ذریعے مسلمانوں اور اسلام کو دہشت گرد قرار دینا شروع کردیا۔ اس نے طالبان حکومت کے خلاف پروپیگنڈے کی توپوں کے دھانے کھول دیئے اور اس نے مسلم معاشرے میں ویلنٹائن ڈے جیسے خرافات پر مبنی رسومات کی ترویج شروع کردی۔

ہم نے کبھی سوچا پاکستان میں مغربی موسیقی کیوں اچانک مشہور ہوگئی؟ پاکستان کی فلموں ،ڈراموں اور ٹیلی ویژن میں دیکھتے ہی دیکھتے پاپ میوزک اور عریانی کیوں آ گئی ؟ پاکستان کے نوجوان لڑکے اور لڑکیوں کا لباس کیوں فحش ہوگیا؟ پاکستان میں اچانک گندی اور غلیظ کتابیں کیوں عام ہوگئیں ؟نوجوانوں میں نشے کی لت کیوں بڑھ گئی ؟ہم بسنت اور ویلنٹائن ڈے کیوں منانے لگے؟ اچانک پاکسان میں بیوٹی پارلروں میں اضافہ کیوں ہوگیا ؟ پاکستان میں ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں بلیو فلمیں کیوں ملنے لگیں؟ اچانک سالگریں کیوں منائی جانے لگیں؟ پھولوں اور کارڈوں کی دکانیں کیوں کھلنے لگیں؟ اور ہماری شادیوں کا رنگ ہندی اور یورپی کیوں ہونے لگا؟ یہ سب کچھ اچانک کیوں ہوا؟ میرا خیال ہے ہم اس پر ہرگز نہیں سوچتے۔ آپ لمحہ موجود سے ان سوالوں پر غور شروع کریں پھر میں آپ سے ایک سوال پوچھوں گا؟ ہماری ثقافت، ہماری اسلامی رسومات اور تہواروں میں زہر گھولنے کا یہ کام کب شروع ہوا؟ آپ کو یہ معلوم کرکے حیرت ہوگی۔ یہ سلسلہ پچھلے آٹھ دس سالوں میں شروع ہوا اور ہر آنے والا دن اس ڈرامے کو اپنے سنسنی خیز موڑ کی طرف لے کر بڑھ رہا ہے۔ یقین ہے آپ جوں جوں ان سوالوں پر غور کریں گے آپ کی ناک بھی اس خطرے کی بو کو سونگھ لے گی ۔ اس خطرے کی 'بو' جو 61 اسلامی ممالک کے نوجوانوں کی اخلاقیات کو موم کی طرح پگھلا تا جا رہا ہے۔ آپ سوچیں! ہمارے بچے ویلنٹائن ڈے کیوں منا رہے ہیں ؟ آج پورا ملک پتنگیں اڑانے کے لیے لاہور میں کیوں جمع ہو چکا ہے ؟ ہمارے بچے ایک دوسرے کو کیک ، کارڈ اور پھول کیوں دے رہے ہیں ؟ شہر شہر میں گھروں سے بھاگنے والی لڑکیوں کی حفاظت کے لیے این جی اوز کیوں کھل چکی ہیں؟ بداخلاقی کے واقعات میں اچانک کیوں اضافہ ہو چکا ہے ؟ آبروریزی کے حادثات کیوں بڑھ رہے ہیں ؟ آپ سوچیں ہمارے ملک میں ڈشیں کب لگنا شروع ہوئیں ؟ کیبل کب آئی ؟ ہمارے ملک میں ٹیلی ویژن ، وی سی آر ، ڈی وی ڈی اور سی ڈیز پوری دنیا سے سستی کیوں ہیں ؟ ہمارے ملک میں مخلوط تعلیم کے ادارے کیوں کھل رہے ہیں ؟ ہمارے اسکولوں اور کالجوں کے نصاب سے اللہ اور اس کے رسول ؐ کا نام کیوں ختم ہو رہا ہے؟ ٹیلی ویژن کی نئی نئی کمپنیاں اور چینل کیوں کھل رہے ہیں ؟ پورے ملک میں موسیقی کے پروگرام کیوں ہوتے ہیں ؟ آپ سوالوں کا جواب اپنے آپ سے پوچھیں، یقیناً آپ کو محسوس ہوگا یورپ، امریکہ اور ان کے بھائی بند جو کام تلوار اور بندوق سے نہیں لے سکے وہاب کارڈ ، گلاب اور پتنگ سے لے رہے ہیں ، وہ اب بسنت اور ویلنٹائن ڈے سے لے رہے ہیں ۔[۸۱]

۸۱۔ یاسر محمد خان، ویلنٹائن ڈے'' ماہنامہ چراغ اسلام ،ص ۶۲ ،فروری ۲۰۰۸ء

محبت کے نام پر پھول اور کارڈ پیش کرنا یورپ اقوام کا معمول ہے جس میں محبت ، اخلاص اور ایثار ایک فیصد بھی شامل نہیں ہوتا۔ وہاں جس طرح چند ساعتوں کے بعد پھول کی تازگی اس کا ساتھ چھوڑ دیتی ہے اسی طرح محبوب محبوبہ کو چند ثانیے بعد چھوڑ کر بھاگ جاتا ہے..... جس طرح کارڈ تہوار گزرنے کے بعد بے کار ہوجاتا ہے اسی طرح کارڈ بھیجنے والا بھیج کر متعلقہ نام کے شخص کی یاد کو دماغ سے پھینک کر نکال دیتا ہے۔

اسلام پھول اور کارڈ پر رقم ضائع کرنے کے بجائے حقوق وفرائض ادا کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ دل کی گہرائی کے ساتھ والدین کے لیے بازو جھکا دینے اور بزرگوں کی خدمت کے لیے ایستادہ رہنے کی تلقین کرتا ہے۔ بچے کی پرورش کے لیے تکلیف اٹھانے اور دن رات مشقت برداشت کرنے کو پدرانہ و مادرانہ محبت سے تعبیر کرتا ہے۔

با حیاء اور با وقار طریق محبت (نکاح) کے بعد میاں بیوی کو زندگی کے آخری سانس تک باہم وفا ، اخلاص ، ہمدردی ،موانست اور تحمل کے ساتھ رفاقت نبھانے کو اصل محبت قرار دیتا ہے۔ اسلامی تعلیمات کی رو سے عورت چاہے شادی شدہ اور بال بچے دار ہی کیوں نہ ہو ، اس کا اجنبی مردوں کے سامنے آنا اور ضرورت کے وقت بھی نرم آواز میں بات کرنا درست نہیں۔ پھر بھلا اس کے لیے یہ کیسے روا ہوسکتا ہے کہ وہ کسی غیر مرد کو اپنا دوست بنائے اور اسے تحائف بھیجے۔

ویلنٹائن ڈے اگر کنوارے کے رشتہ تلاش کرنے کا دن ہے تو اسلام کنواری لڑکی کو قطعاً اجازت نہیں دیتا کہ اپنا رشتہ خود تلاش کرتی پھرے، بلکہ اس کے سرپرست مرد کی ذمہ داری ہے کہ اس کے لیے مناسب اور صالح رشتہ تلاش کرکے شریعت کے مطابق اس کا نکاح کردے۔ اگر یہ سینٹ (پادری) ویلنٹائن ڈے کی داستان عشق کی یا دمنانے کا دن ہے تو یہ ایک انتہائی غلیظ اور خبیث فعل ہے جو زنا جیسا قبیح فعل کرکے مذہب کے نام پر عورت کو دھوکہ دے کر پھانس لے۔

غیر ازدواجی تعلقات اور میڈیا

اسلام میں کورٹ شپ کی بھی اجازت نہیں۔ اسلام میں جہاں آزاد شہوت رانی حرام ہے وہاں چوری چھپے آشنائیاں بھی حرام ہیں۔ ﴿وَّ لَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ﴾[۸۲] اسلامی تعلیمات کے مطابق لڑکی لڑکے کا جب تک نکاح اور رخصتی نہ ہوجائے وہ ایک دوسرے کے لیے نامحرم ہی رہتے ہیں۔ صرف منگنی انہیں محرم نہیں بناسکتی۔ یہ جو ٹی وی ڈراموں میں دکھایا جاتا ہے کہ منگنی کے بعد لڑکے لڑکی ٹیلی فون پر رابطے کرتے ہیں ، تنہائیوں میں ملتے ہیں اور عشقیہ گفتگو کرتے ہیں ، پارکوں اور دریاؤں کے کنارے ، کھلی فضا میں پکنک مناتے ہیں یا کاروں میں تنہا سیر وتفریح کرتے ہیں ، ویلنٹائن ڈے پر محبت بھرے کارڈز کا تبادلہ کرنا یا چاکلیٹیں وغیرہ دینا یہ سب اسلامی شریعت کی رو سے حرام مطلق ہے اور غیر مسلم قوموں کی نقالی ہے۔

اسلام فطرت انسانی کے عین مطابق مذہب ہے۔ اسلام غیر محرم مردوں عورتوں کے شادی سے باہر کے تعلقات کی اجازت نہیں دیتا کیونکہ کورٹ شپ یا لڑکی لڑکے کی شادی سے پہلے کی دوستی میں وہ دونوں ایک دوسرے کو اپنی زندگیوں کے صرف روشن پہلو ہی دکھاتے ہیں۔ ایسے آزادانہ ماحول میں سب سے زیادہ گھاٹا عورت کو ہوتا ہے کیونکہ بقول ڈاکٹر بلال فلپس (Bilal Phlips) (کینیڈا کے نومسلم عالم اسلام)

۸۲۔ النساء۴:۲۵

''عورتیں معاشرے کا جسمانی لحاظ سے کمزور حصہ ہوتی ہیں اور مرد مضبوط ۔ جب بھی مضبوط اور کمزور کا آزادانہ میل جول ہوگا تو مضبوط کمزور کا استحصال کرے گا''۔[۸۳]

آج ٹی وی ڈراموں ،میوزک شوز ، لچر افسانوں اور فلموں کے ذریعے نوجوانوں کے جنسی جذبات کو نہ صرف مشتعل کیا جاتا ہے بلکہ انہیں معاشقوں کے جدید ترین طریقے بھی سکھائے جاتے ہیں۔اس کے بعد نوجوان لڑکے لڑکیاں ای میل ، انٹرنیٹ چیٹنگ اور سیل فون (جس کے اندر اب بے حیائی کو مزید بڑھانے کے لیے کیمرے کی سہولت مہیا کردی گئی ہے) کے ذریعے معاشقے کرتے ہیں اور ویلنٹائن ڈے کے دن ان کا بھرپور استعمال کرتے ہیں۔اسی طرح اس دن پاکستان کے بڑے شہروں میں میوزیکل کنسرٹس منعقد کئے جاتے ہیں جو بے حیائی کا مرقع ہوتے ہیں اور اس میں شمولیت اختیار کرنے والے لڑکے لڑکیوں کو تلقین کی جاتی ہے کہ وہ سب سرخ قمیصیں (Red Shirts) میں ملبوس ہوکر آئیں اور ایک دوسرے کے جذبات کو بھڑکائیں ۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ عیسائی آرٹ میں سرخ رنگ کو شیطان کے ساتھ منسوب کیا جاتا ہے ۔خیر شیطان انسان کو اسی بے حیائی کا درس تو دیتا ہے جس کے مظاہرے کے لیے نوجوان سرخ لباس پہن کر میوزیکل شوز میں شامل ہوتے ہیں۔

﴿اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ وَ یَاْمُرُکُمْ بِالْفَحْشَآءِ﴾[۸۴]

''شیطان تمہیں مفلسی سے ڈراتا ہے اور بے حیائی کے کاموں کی ترغیب دیتا ہے''۔

کیا ہم زندہ قوم ہیں؟

مسلمانوں کے دو تہوار ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے ثابت ہیں۔یعنی عید الفطر اور عید الاضحیٰ۔انہی دو تہواروں پر ہمیں فخر ہونا چاہیے۔زندہ قومیں دوسری اقوام سے تہوار مستعار نہیں لیا کرتیں۔یہودی ایک زندہ قوم ہیں ۔ وہ امریکہ میں رہتے ہوئے اپنے مذہب کی تعلیمات پر سختی سے کاربند ہیں یہودی نوجوان لڑکوں لڑکیوں کو کبھی ویلنٹائن ڈے مناتے نہیں دیکھا گیا۔

ہندو بھی ایک بیدار قوم ہیں۔تین سال پہلے یہ خبر امریکی رسالے میں چھپی تھی جس کا عنوان تھا ''Anti-Valintne's day activists erupt in India'' یعنی ویلنٹائن ڈے کے مخالفین انڈیا میں ظاہر ہوگئے۔''[۸۵]

اس مضمون میں بتایا گیا تھا کہ ویلنٹائن ڈے کے مخالفین نے بمبئی اور دیگر شہروں میں 'انڈین کلچر کو بچاؤ' کے نعروں کے ساتھ کارڈ بیچنے والی دکانوں پر چھاپے مار کر ویلنٹائن ڈے کے کارڈز کو آگ لگادی کیونکہ ان کے مطابق یہ تہوار نوجوانوں میں جنسی آوارگی (Promiscuity) پیدا کرتا ہے ۔ وہاں کی شوسینا پارٹی کے لیڈر باکالیسکر نے کہا:''ویلنٹان ڈے انڈین سوسائٹی کے خلاف اور کلچر کے خلاف ہے۔''[۸۶]

۸۳۔ ڈاکٹر گوہر مشتاق :''ویلنٹائن ڈے بت پرست رومیوں کا تہوار''ص ۱۵ ،ماہنامہ چمن بتول،فروری ۲۰۰۶ء

۸٤۔ البقرة۲:۲٦۸

۸۵ Anti- Valintine day activists erupt in India Magazine USA Today Feb-14,2003

۸٦ Ibid

مغرب میں جدید جنسی انقلاب (Sexual Revolution) کا آغاز 1960ء کی دہائی میں نوجوانوں کی تحریک حریت (Tenngage Liberation Movement) کے ساتھ ہوا لیکن اس کی جڑیں یونانی اور رومی تہذیب کی جنسی آوارگی سے جا کر ملتی ہیں۔ کیتھولک چرچ کی جنسیت کے معاملے میں سختی دراصل بت پرست رومیوں کی انتہائی شہوت رانی کے خلاف ردعمل تھا جس کی وجہ سے وہ دوسری انتہاء کو چلے گئے جس طرح پینڈولم (Pendulum) ایک انتہا سے دوسری انتہا کو جاتا ہے گو کہ کئی معاملات میں عیسائیت کو سمجھوتا کرنا پڑا مثلاً انہوں نے مشرکین کی ویلنٹائن ڈے کی رسم کو برقرار رکھا البتہ اسے اپنے ایک ولی سینٹ ویلنٹائن کے ساتھ منسوب کر کے مذہبی رنگ دے دیا۔

عیسائیت کے بانی پال (St.Paul) کو خود محبت میں ناکامی ہوئی تھی۔ نوجوانی کے دور میں جب سینٹ پال یہودی تھا اسے یہودیوں کے ایک بہت بڑے مذہبی عالم دین کی بیٹی سے جو انتہائی خوبصورت تھی، عشق ہو گیا تھا لیکن اس کی شادی رومن حکمران سے کر دی گئی تو سینٹ پال نے غصے میں آ کر عیسائیت اختیار کر لی۔

غالباً اس وجہ سے سینٹ پال نے نہ صرف کہ خود شادی نہ کی بلکہ اس نے دوسروں کو بھی جائز ازدواجی تعلقات سے کنارہ کشی کا درس دینا شروع کر دیا۔ عیسائیوں کے دوسرے بڑے مذہبی عالم سینٹ آگسٹائن (متوفی 430 عیسوی) (St.Agustine) نے اپنی روحانی خودنوشت سوانح عمری The Confessions میں اس بات کا اقرار کیا ہے کہ نوجوانی کے دور میں طوائفوں کے پاس باقاعدگی کے ساتھ جایا کرتا تھا اور ساتھ ساتھ خدا سے دعا کیا کرتا تھا: Oh God! Grent me faith but not yet (اے اللہ! مجھے ایمان عطا فرما لیکن ابھی نہیں۔)

پھر سینٹ آگسٹائن نے مذہبیت اختیار کی تو اس نے جائز ازدواجی تعلقات سے بھی اجتناب کا درس دینا شروع کر دیا۔ اسی طرح سینٹ جیروم (St.Jerome) نے بڑے شد و مد سے کہا کہ عیسائی عقیدے کے مطابق جو شخص اپنی بیوی سے بہت محبت کرتا ہے وہ شخص بھی بدکار ہے اور اس نظریے کی کچھ عرصہ پہلے 1980ء میں آنجہانی پوپ جان پال II (دوم) نے بھی تائید کی ہے۔ یہ عیسائیت کی انہی غیر فطری سختیوں کا نتیجہ تھا کہ بیسویں صدی میں مغرب میں جنسی انقلاب رونما ہوا اور آج میڈیا پوری دنیا میں اسے پھیلا رہا ہے۔ اس لحاظ سے اگر ہم ویلنٹائن ڈے کو اس جنسی انقلاب کا جنم دن (Birthday) قرار دیں تو بے جا نہ ہوگا۔

قرآن کریم میں سورۃ الروم میں (آیت نمبر 28) میاں بیوی کے درمیان محبت اور رحمت کا ذکر ہے اور اس رشتے کو اللہ کی نشانی قرار دیا گیا ہے۔ قرآنی سورتوں کے ناموں میں بھی اللہ کی حکمتیں پوشیدہ ہوتی ہیں۔ قرآن میں سورۃ الروم میں میاں بیوی کے رشتے کا ذکر ہے کیونکہ جنسی بے راہ روی کے کلچر کو پہلی مرتبہ رومیوں نے انتہا کو پہنچایا اور اب صدیوں بعد دوبارہ اس کلچر کو اوج کمال تک پہنچانے والے وہ ہیں جو خود کو رومیوں کا جانشین کہتے ہیں۔ یہ ایسا کلچر ہے جو میاں بیوی کے جائز رشتے کا مخالف ہے اور ہم جنس پرستی کا درس دیتا ہے۔ نوجوان لڑکوں لڑکیوں کو شادی کے مقدس رشتے میں بندھنے کی بجائے ویلنٹائن ڈے جیسے تہواروں میں اخلاق باختگی کا درس دیتا ہے۔ ایسا کلچر جو ضبط ولادت کا درس دیتا ہے کیونکہ بچوں کی پیدائش سے میاں بیوی کا تعلق مضبوط ہو جاتا ہے۔ ایسا کلچر جس میں طوائف کی عزت ماں سے زیادہ کی جاتی ہے کیونکہ

طوائف گھر سے باہر نکل کر پیسہ کماتی ہے جبکہ ماں گھر میں رہ کر بچوں کی تربیت کرتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ہماری فطرتوں کے ایسے شر سے بچائیں۔ شاید ہم لوگ اس بات سے ناواقف ہیں کہ ایک مخصوص روز منایا جانے والا یہ تہوار جسے یوم تجدید محبت کا نام دیا گیا ہے۔ اصل میں کس قسم کی محبت کی یادگار ہے۔ خوش گمانی رکھیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہماری لاعلمی ہی ہے جو ہمیں اس مضمرات سے بے خبر رکھے ہوئے ہے۔ ورنہ تو ہم اس کا نام سنتے ہی شرم سے پانی پانی ہوجاتے ہیں۔ اور پھر ہم سچے مسلمان اور محبّ وطن پاکستانی کم ازکم بھارت کی متعصب ترین پارٹی شیوسینا سے تو زیادہ ہی غیرت مند ہیں۔ جس کے کارکنوں نے بہت سخت الفاظ میں ویلنٹائن ڈے کے خلاف احتجاج کیا۔ انہوں نے گزشتہ برسوں میں اس ضمن میں ہونے والی بہت سی تقریبات درہم برہم کیں اور صرف تشدد سے ہی نہیں بلکہ بڑے نظم وضبط اور تہذیب کا مظاہرہ کرتے ہوئے بھی اس بے ہودگی کی مذمت میں چھاپے گئے مختلف پمفلٹ وغیرہ اپنے عوام میں تقسیم کئے۔

جب عورت پر مرد کے برابر معاشی وتمدنی ذمہ داریوں کا بوجھ ڈالا جائے گا تو وہ اپنے اوپر فطری ذمہ داریوں کا بوجھ اتار پھینکے گی اور اس کا نتیجہ نہ صرف تہذیب وتمدن بلکہ انسانیت کی بربادی ہوگا۔ عورت اپنی افتادطبع اور اپنی فطری ساخت کے خلاف اگر کوشش کرے تو کسی نہ کسی حد تک مرد کے سب کاموں کا بوجھ سنبھال لے جائے گی لیکن مرد کے لیے عورت کی ذمہ داریاں ادا کرنا محال اور ناممکن ہیں۔

مولانا ابوالحسن ندوی لکھتے ہیں:

> ''تاریخ شاہد ہے کہ جب کسی قوم میں مردانگی اور غیرت انسانی کو زوال ہوا، عورتوں نے اپنی نسائیت اور فطرت مادری کے خلاف بغاوت کی اور آزادی اور بے حجابی کی راہ اختیار کی ہر چیز میں مردوں کی مسابقت کی کوشش کی، خانگی زندگی سے نفرت وغفلت بڑھی اور ضبط تولید کی رغبت پیدا ہوئی، اس کا ستارہ اقبال غروب ہوا اور رفتہ رفتہ اس کے نشانات بھی مٹ گئے۔ یونانی، رومی اور ایرانی قوم کا انجام بھی یہی ہوا اور یورپ بھی آج اس راہ پر گامزن ہے جو اس انجام تک لے جاتی ہے۔ عالم عرب کو ڈرنا چاہیے کہیں اس کا انجام بھی ایسا نہ ہو۔ مگر ہم جس دوراہے پر کھڑے ہیں ہماری رسوم ورواج، رہن سہن اور طریقہ زندگی بہت حد تک مغربی معاشرت کے تابع ہوتا جارہا ہے۔[۸۷]

اور اس لمحے مولانا ابوالحسن صاحب کے ان الفاظ کے بارے میں سوچنا ہمارے لیے بہت ضروری ہوگیا ہے۔

پیٹرک جے بوکنین Patrick J.Buckanan سابق امریکی صدارتی امیدوار جو کہ 3 امریکی صدور کے مشیر رہے ہیں۔ دو دفعہ ری پبلکن پارٹی کے امیدوار بنے ہیں۔ وہ مغربی تہذیب کا تجزیہ کرنے کے ماہر سمجھے جاتے ہیں۔ ان کی مشہور کتاب The Death of the West (مغرب کی موت) 2002ء میں شائع ہوئی۔ یہ کتاب بہت پذیرائی حاصل کرچکی ہے۔ وہ امریکہ کے Public Affairs کے پروگراموں کے بانی ممبر بھی ہیں۔ ان کے کالم بڑے اخبارات کی زینت بنتے

۸۷۔ ابوالحسن علی ندوی، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، ص ۴۳۵

ہیں۔ وہ امریکی میڈیا میں N.B.C اور CNN سے بھی پروگرام کرتے رہے ہیں۔ وہ اپنی کتاب A Republic not an Empire میں رقم طراز ہیں:

''11 ستمبر کے بعد ایسا لگتا ہے کہ تہذیبوں کا تصادم کا نظریہ سچ ہوتا جا رہا ہے۔ اس نظریے کو اگرچہ اسلامی دنیا اور مغرب میں بہت سے لوگ حقیقت نہیں سمجھتے۔''۸۸

آگے وہ کہتے ہیں کہ اگرچہ صدر بش تہذیبوں کے اس تصادم کے نظریے کو امریکہ کے لیے تباہ کن سمجھتے ہیں اور ہمیں یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ ہم کتنی بھی کارستانیاں کرلیں اور کتنی بھی جنگیں جیت جائیں ہم اسلام کو ختم نہیں کر سکتے۔ اسلام نازی ازم اور فاش ازم اور بالشوازم کی طرح نہیں ہے جس کو ہم نے ختم کر دیا تھا۔ اسلام 1600 سال زندہ ہے اور 47 سے زائد ملکوں کا بنیادی عقیدہ ہے۔ یہ ختم نہیں ہوسکتا ..... یہ بات بھی حیرت انگیز ہے کہ 1938ء میں جبکہ اسلامی دنیا خواب خرگوش اور غفلت میں پڑی ہوئی تھی اور مغربی استعمار کے زیر نگیں تھی ایک مشہور عیسائی مصنف Hillaire Bellock نے اس وقت پیشین گوئی کی تھی کہ ''اسلام دوبارہ ابھرے گا'' ..... اسلام جو ہمارا سب سے بڑا حریف رہا ہے ہماری اولادیں اس اسلام کا دوبارہ احیاء دیکھیں گی اور ان کی عیسائی ثقافت کے درمیان کشمکش برپا ہوگی اور حقیقت نہیں ہے کہ اسلام دوبارہ ابھر رہا ہے ..... طاقت اور دولت میں تو ہم بالا دست ہیں۔ لیکن یہ بھی یاد رہے کہ دولت یورپی سلطنت کو اور طاقت روسی سلطنت کو منہدم ہونے سے بچا نہ سکی۔ روم طاقت ور تھا اور کلیسا کمزور مگر کلیسا نے روم پر بالا دستی حاصل کر لی ..... اسلام کی طاقت کا راز بھی اس کی اخلاقی قوت میں پوشیدہ ہے اگرچہ اس کے پاس مادی وسائل نظر نہیں آتے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے مادی وسائل بھی سب سے زیادہ امت مسلمہ کو عطا کیے ہیں مگر ہمارے کرپٹ حکمران جو کہ استعمار کے کاسہ لیس بھی ہیں امت مسلمہ کو ان وسائل سے مستفید ہونے نہیں دیتے ..... اسی لیے تہذیبوں کے اس تصادم میں سرد جنگ کی طرح اسلام کو ختم نہیں کیا جاسکتا۔ یورپ میں اسلام تیزی سے پھیل رہا ہے اور سب سے زیادہ قبول ہونے والا مذہب اسلام ہے اور پوری دنیا میں کیتھولک مکتب فکر رکھنے والے عیسائیوں سے اس کی تعداد بڑھ گئی ہے۔۸۹

وہ اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ یورپ میں عیسائیت مر رہی ہے۔ لکھتے ہیں:

And as Christianity dies in Europe and Churches empty out. Mosques are going up To defeat a faith you must have a faith. And what is ours? Individualizm, equality, democracy. Pluralizm or laddcevita, can these overcome a fighting faith, almost sixteen hundred years old and rising again."۹۰

مصنف نے اس کتاب میں امریکی حکومت کو مشورہ دیا ہے کہ اسلامی دنیا کے ساتھ مخالفت چھوڑ دی جائے اور ان کو اپنی منزل کا تعین خود کرنے دیجئے۔

---

۸۸ Patrick J. Bochanan A Republic not an empire is war of Civilization a head P-19 (XiX) Washington D.C. USA ۸۹ Ibid ۹۰ Ibid

میراتھن ریس:

انگریز جاتے ہوئے اس خطۂ زمین کی باگیں سپرد کر کے رخصت ہوا۔جس نے پہلے دن سے ہی پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الہ الا اللہ! کا انکار کیا تھا اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں حکم دیا تھا:

﴿سَابِقُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾[۹۱]

''دوڑو اپنے رب کی طرف جس کی وسعت آسمان اور زمین جیسی ہے۔

مگر اللہ کی مغفرت اور جنت کی اس دوڑ کی بجائے میراتھن دوڑ شروع کرا دی اور اپنے آپ کو روشن خیال اور لبرل کہلانے کے شوق میں اپنے خاندانی نظام کا تماشا بیچ چوراہے میں لگا لیا۔ بات اگر صرف دوڑ تک محدود رہتی تو برداشت کے قابل تھی۔اس نئی صدی کا آغاز کرتے ہی تہذیب مغرب کھل کر کھیلنے لگی۔

مگر میراتھن میں تو دوڑ لگانے سے تو اتنی دلچسپی نہیں نظر آئی جتنی عورت اور مرد کی مخلوط و بے حجابانہ سڑکوں پر نکل آنے کی رغبت نظر آئی۔ اسلام میں عورت اور مرد کے شانہ بشانہ کام کرنے کا ذکر ہے۔مگر ماں اپنے بیٹے کے شانہ بشانہ، باپ اپنی بیٹی کے شانہ بشانہ، شوہر اپنی بیوی کے شانہ بشانہ اور بھائی اپنی بہن کے شانہ بشانہ ہو تو خاندان و معاشرہ کی حسن ترتیب اور حسن تنظیم قائم رہتی ہے۔ جب ہر عورت پر مرد کے شانہ بشانہ دوڑ پڑنے پر تل جائے تو خاندان اور معاشرے کا سارا تارو پود بکھر جائے گا۔ خاندانی نظام لکڑی کے جالے کی طرح کوئی بھی ضرب برداشت کرنے کے قابل نہیں رہے گا اور ویسے بھی سڑکوں پر گھوڑے کی طرح دوڑ نا عورت کے وقار اور متانت کے خلاف ہے۔

لباس:

لباس بھی کسی قوم اور نسل کی پہچان اور اخلاق کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ہماری تہذیب جو کہ پہناووں اور تراش خراش کے لیے مشہور تھی کیونکہ دوسری قوموں کو صرف کپڑا لینا آتا تھا جبکہ ہماری تہذیب میں اس کے ہزار رنگ تھے مگر آج لباس مختصر سے مختصر ہوتا جا رہا ہے۔شلواروں کی جگہ کیپری نے لے لی ہے ۔ ٹانگیں ، بازو اور گلے عریانی کا شاہکار نظر آتی ہیں۔ مشرقی لباس ناپید ہوتا جا رہا ہے ۔ کیٹ واکز ، فیشن شوز احکامات الٰہی کا سرعام مذاق اڑاتے نظر آتے ہیں۔ مرد خود تو تین کپڑوں کے سوٹوں پر تہہ در تہہ لپٹا ہوتا ہے جبکہ عورت کو سخت ترین سردی میں بھی عریاں کر کے سر بازار رکھ دیا گیا ہے اور وہ خود دھوکہ کھا کر اسے آزادی سمجھ بیٹھی ہے۔لباس میں مرعوبیت سے انکار کر دینے کے سلسلے میں قاری حنیف جالندھری اپنا یہ واقعہ بیان کرتے ہیں:

> لندن سے دوبئ تک کی پرواز کے دوران میرے ساتھ والی نشست پر ایک جرمن باشندہ براجمان تھا جو گذشتہ آٹھ سال سے انگلستان میں پی ایچ ڈی کے سلسلے میں مقیم تھا۔ باتوں باتوں میں اچانک اس نے سوال کیا: مسلمان ٹوپی کیوں پہنتے ہیں؟ میں نے فوراً اس سے دریافت کیا: انگریز لوگ ٹائی کیوں پہنتے ہیں؟ یہ سن کر پہلے اس نے اپنی ٹائی کی طرف اور پھر میری طرف دیکھا۔ اچانک سوال سے وہ کچھ

۹۱۔ الحدید ۵۷:۲۱

گڑ بڑا سا گیا۔ پھر کہنے لگا: یہ ٹائی دراصل ہمارے لباس کا حصہ ہے اور اسے پہن کر آدمی زیادہ خوبصورت لگتا ہے۔

میں نے پوچھا: اور کچھ؟ اس نے کہا: بس، یہ ہماری روایات اور کلچر میں شامل ہے۔ تب میں نے اس سے کہا: یہ تمہاری سوچ ہے انہی دلائل کے ساتھ پھر تم ہماری ٹوپی پر اعتراض کیوں کرتے ہو؟ حالانکہ تم جانتے ہو اور کئی ایسے واقعات اخبارات میں بھی نظر آتے رہتے ہیں کہ لڑائی جھگڑے کے دوران لوگ ٹائی پکڑ کر کھینچتے ہیں اور گلے میں پڑا یہ پھندا بعض اوقات موت کا سبب بن جاتا ہے۔ جبکہ ٹوپی نہ صرف ایک بے ضرر چیز ہے بلکہ انسان کے لیے نفع بخش بھی ہے۔ اسلامی تہذیب میں یہ عزت ومرتبہ کا نشان ہے۔ دنیا کے بادشاہ ہمیشہ سے سر پر خوبصورت اور جڑاؤ تاج پہنتے آئے ہیں۔ فوج اور پولیس میں بھی ٹوپی ایک اعزاز اور امتیاز کی علامت سمجھی جاتی ہے۔ آج تک کبھی کسی نے بادشاہوں، فوجیوں، پولیس والوں کی ٹوپی پر تو اعتراض نہیں کیا البتہ جب ایک عام انسان اس کو پہنے تو ساری دنیا معترض ہو جاتی ہے۔ حالانکہ ٹوپی کے طبی فوائد بھی ہیں۔ یہ سر کو ماحول کے گرد وغبار، سورج کی تپش اور دیگر موسمی تاثرات سے بھی بچاتی ہے۔ ''میرا ہم نشین قائل ہو چکا تھا۔ ٹوپی اور ٹائی کے مقابلہ میں ٹوپی نے میدان مار لیا تھا اور ٹائی اپنی گرہ میں بل کھاتے وہاں سے رفو چکر ہو رہی تھی''۔[۹۲]

دنیا میں وہی قومیں بام عروج پر پہنچی ہیں جنہوں نے اپنی تہذیب، اپنے لباس اور اپنی روایات اور اقدار پر فخر کیا اور انہیں محفوظ رکھا، ورنہ نقالی کے لیے دنیا میں بندر تو کم نہ تھے۔

یہ بھی ہمارا عجیب المیہ ہے کہ ہم اپنی آنکھوں سے وہ نقصانات دیکھ رہے ہیں جو حیا اور پاکیزہ معاشرے سے محرومی کے نتیجے میں سامنے آ رہے ہیں۔ گھر ٹوٹ رہے ہیں، خاندان صدمات کا شکار ہو رہے ہیں۔ اولادیں والدین کے ہاتھوں سے نکل رہی ہیں بلکہ باغیانہ روش اختیار کر رہی ہیں، پھر بھی والدین کی ایک عظیم اکثریت ایسی ہے جو ہوش سے کام نہیں لیتی اور باحیا طرز زندگی کی طرف پلٹنے پر آمادہ نہیں۔

بہت سارے والدین خود آگ خریدتے ہیں، بے حیائی کی آگ اور اس آگ سے اپنے گھروں کو روشن کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر گھر الٹا روشن ہونے کی بجائے جل جاتے ہیں۔ ہمارے ملک میں بے ہودہ اخبارات اور حیاء سوز جرائد بھی موجود ہیں جن کا کام ہی عورت کے جسم اور حسن کی نمائش کرنا ہے۔ ٹی وی، وی سی آر، ڈش انٹینا اور اب کیبل سسٹم کی سہولیات بھی تعمیر کے بجائے تخریب کے لیے استعمال ہو رہی ہیں پھر بھی ایسے افراد کی تعداد لاکھوں میں ہے جو ان سہولیات کے حصول کے لیے سرگرداں ہیں۔

کچھ ایسی ہی معاشرت تھی جو بغداد کے لیے تباہی کا سبب بن گئی تھی اور ایسے ہی حالات تھے جس کے نتیجے میں اندلس کو مسلمانوں کے خون سے نہلا دیا گیا تھا۔ ہندوستان میں مسلم اقتدار کا خاتمہ بھی انہی اسباب کی بناء پر ہوا تھا اور اب اسلام کے مکار دشمن کی نظریں دنیا کی پہلی اسلامی ایٹمی قوت پاکستان پر جمی ہوئی ہیں۔ وہ یہاں کی نوجوان قوت کو چھین لینا چاہتا ہے۔ ان حالات میں لازم ہے کہ ہر وہ شخص جو اپنے سینے میں بیدار دل رکھتا ہے، بے حیائی اور بے راہ روی پھیلانے

۹۲۔ حنیف جالندھری، ماہنامہ پکار ملت، مارچ ۲۰۰۷ء

کی ان کوششوں کے خلاف اٹھ کھڑا ہو جو اندرونی اور بیرونی قوتوں کی جانب سے سامنے آ رہی ہیں۔۹۳

امت کے زوال کے اس دور میں اپنی تہذیب کے احیاء کی بات جتنی مشکل ہے اتنی ہی ناگزیر بھی ہے۔ بہاؤ کے ساتھ بہہ جانے والے کیا جانیں کہ دریا میں الٹے رخ پر چلنا یا کھڑے رہنا کس قدر دشوار ہوا کرتا ہے۔لیکن امت کی آبرو بھی انہی سے قائم رہتی ہے جو یہ کٹھن راستہ جانتے بوجھتے اپنے لیے اختیار کرتے ہیں۔ زبان، لباس، چال، ڈھال، انداز گفتگو، آداب محفل تقریبات، جشن، سوگ، ہر موقع پر یہ ضرور جانچتے ہیں کہ ہمارا یہ رویہ ان کے امتی ہونے کے شایان شان ہے یا نہیں۔ وہ نبی رحمتؐ جنہوں نے جاہل انسانوں میں اخلاق وتہذیب کی بنیاد ڈالی اور انسان کو اسفل السافلین سے احسن تقویم بننے کا راستہ دکھایا۔ ایک ایسا کلچر قائم کرکے دکھایا جس کا ہر مظہر انسانی اخلاقیات سے گہرا جڑا ہوا ہے۔ مغربی تہذیب کے برعکس جس میں صرف ظاہری رکھ رکھاؤ پر زور ہے۔ اسلامی تہذیب کے نمایاں خدوخال، عقائد سے پھوٹتے ہیں اور ایمانیات سے پروان چڑھتے ہیں۔ اسی لیے جب عقیدہ وایمان کمزور پڑنے لگا تو خود بخود تہذیب بھی دم توڑنے لگی۔

آج ہم ایسی ہی صورت حال کا مشاہدہ کررہے ہیں۔ اپنی تہذیب پر معذرت خواہانہ رویہ اور باطل تہذیبوں کے بدبودار لبادے اوڑھنے کے لیے بے قرار ہیں۔ان کے اخلاق باختہ کلچر سے مرعوب اور اپنے اصولوں کی دھجیاں اڑانے کو تیار۔مگر آج بھی سمجھ بوجھ رکھنے والے لوگ، جو بہاؤ کے خلاف چلنے کی اہمیت بھی سمجھتے ہیں اور اس کی ہمت بھی رکھتے ہیں۔ بھرپور مزاحمت میں مصروف ہیں۔ اس مزاحمت کا دائرہ پھیلنا چاہیے، اپنی تہذیب واقدار پر بھرپور اعتماد ہی ہمیں دوسروں کی نظروں میں باوقار بنا سکتا ہے۔ نقالی اور مرعوبیت ذلت بھرا راستہ ہے، عزت کا نہیں۔

۹۳۔ عباس اختر اعوان، ماہنامہ اذان سحر، شمارہ مئی ۲۰۰۰، ص۳